ISSN 2320-8600

جنوری - فروری - مارچ 2020

سہ ماہی مجلہ

المجیب

پھلواری شریف پٹنہ

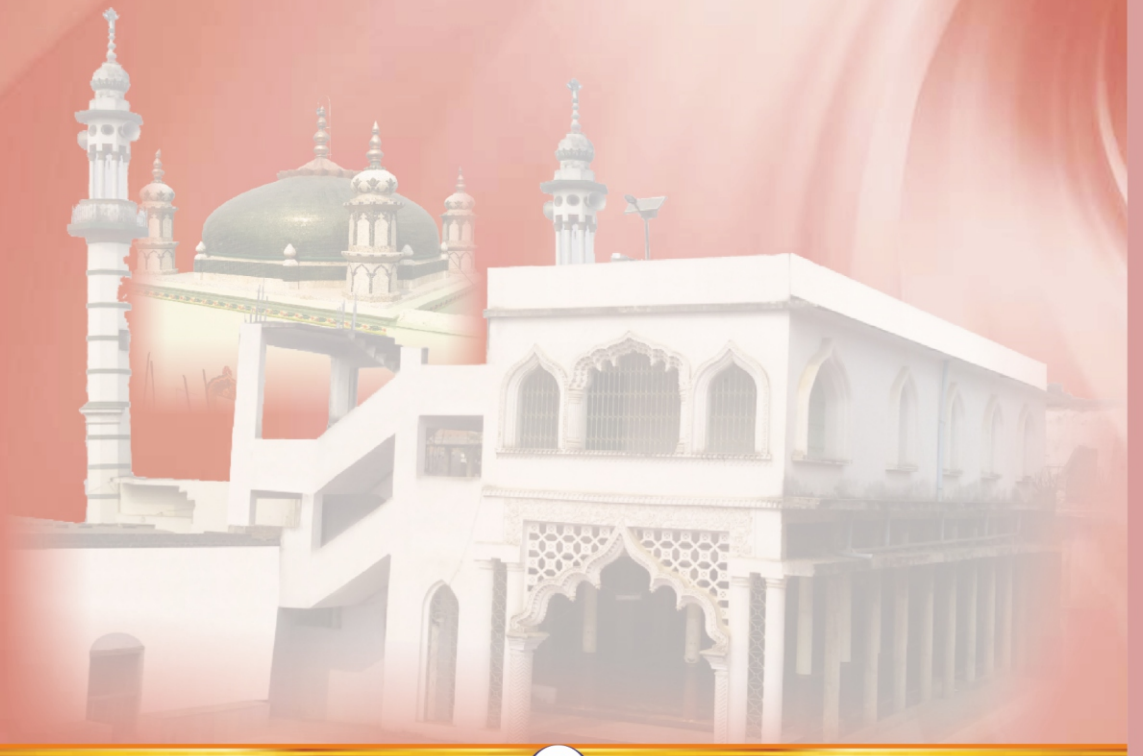

مدیر

ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

دار العلوم مجیبیہ خانقاہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

DARUL ULOOM MOJIBIA KHANQUAH

Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA) Mob.: +91-9572860252, 7717792508

دارالعلوم مجیبیہ، پھلواری شریف کے اکابر بزرگوں اور اولیاء اللہ کی یادگار اور ہندوستان کی قدیم درسگاہ ہے۔ اس کی علمی خدمات تین صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ دارالعلوم اپنے سن قیام ۱۱۲۵ھ سے لے کر آج تک تواتر و تسلسل کے ساتھ علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں لگا ہوا ہے اور الحمدللہ کسی دور میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ موقوف نہیں ہوا۔ ابتدائی فارسی درجات سے لے کر عربی کے آخری درجات، دورۂ حدیث تک یہاں تعلیم دی جاتی ہے— اور قرآن کریم کے حفظ و قرأت کی تعلیم معیاری طریقے پر ہوتی ہے۔ بچوں کے لئے اردو، ناظرۂ قرآن اور عصری تعلیم کا بھی انتظام ہے۔ تمام بیرونی طلبہ کے لئے قیام و طعام، کتابیں اور دیگر سہولیات کا اہتمام دارالعلوم مجیبیہ کی طرف سے مفت کیا جاتا ہے۔

اسلئے اہل خیر حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ صدقات، زکوٰۃ، عطیات اور دیگر مواقع پر دارالعلوم مجیبیہ کو فراموش نہ کریں۔ مالی امداد پہنچا کر عنداللہ ماجور و مثاب ہوں۔ یہ قدیم درس گاہ آپ کے تعاون کی مستحق ہے۔

چیک یا ڈرافٹ پر صرف "DARUL ULOOM MOJIBIA" لکھیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هو العزيز المجيب وولي النعم

اہل حق کا ترجمان اور امن وسلامتی کا پیامبر

سہ ماہی

المُجیب

پھلواری شریف پٹنہ

دینی، علمی وادبی مجلہ

ماہ : جمادی الاولیٰ — رجب المرجب ۱۴۴۱ھ

ماہ : جنوری — مارچ ۲۰۲۰ء

مدیر : ڈاکٹر شاہ فتح اللہ قادری

نائب مدیر : ظفر حسنین

جلد نمبر ۶۰ ✦ شمارہ نمبر ۱

زر تعاون

فی شمارہ	:	-/50 روپے
سالانہ	:	-/200 روپے
سادہ ڈاک	:	-/250 روپے
رجسٹری ڈاک	:	-/400 روپے
پاکستان وبنگلہ دیش	:	-/500 روپے
دیگر ممالک	:	-/25$ امریکی ڈالر

مجلس ادارت

مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

مولانا محمد منہاج الدین مجیبی

پروفیسر حافظ فضل کبریا صدیقی

پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید

محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی

سرکولیشن منیجر : محمد مقصود عالم مجیبی

مراسلت وترسیل زر کا پتہ

رابطہ : +91-9006306098

ایڈیٹر

المجیب، دار الاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف پٹنہ (بہار)

فون نمبر : E-mail : almujeebquarterly@gmail.com, (0612) 2555572, Telefax : 2555305

فہرست مضامین

- **لمعات** — ظفر حسنین — ۳

مضامین و مقالات

- حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ — مولانا شاہ بدر احمد مجیبی — ۶
- مرا چون گذر بر عراق اوفتاد (سفر نامۂ عراق) — پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید — ۱۸
- نظام تبنی — ایک جائزہ — مولانا سید ولی حسن قادری ندوی — ۲۸
- اسلام پر مستشرقین کے اعتراضات اہل کتاب..... — ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — ۳۲
- منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی (چند دن.....) — وارث ریاضی — ۵۲
- سر سید احمد خان — سید محمد نیر رضوی — ۶۴

ادبیات

- قند پارسی (فریاد بہ بارگاہ رسالت ﷺ) — حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقب قادریؒ — ۷۵
- نعت شریف — امان خاں دل — ۷۷
- غزل — وارث ریاضی — ۷۸
- **کوائف و حالات** — ادارہ — ۷۹

لمعات

• ظفر حسنین

کوئی ملک ہو یا قوم ــــ ان کا مشکل یا بہتر دور سے گزرنا ایک عام بات ہے ۔ بلکہ اسی سے تاریخ بنتی ہے ــــ ایسی تاریخ جسے صدیوں بعد بھی لوگ ذوق وشوق سے پڑھتے ہیں ۔ آبا واجداد کی یہ تاریخ پڑھ کر کبھی وہ خوشیوں سے جھوم اُٹھتے ہیں اور کبھی رنج وغم میں ڈوب کر سر پیٹنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ۔

آج کی بھی جو تاریخ لکھی جارہی ہے وہ ملک وقوم کے لئے اتنی حیرت انگیز اور عبرت ناک ہوگی کہ ہماری آنے والی نسلیں شاید اسے بہت دنوں تک فراموش نہ کرسکیں ۔

تاریخ میں شاید ہی ایسا دور کبھی آیا ہو جب پورا ملک ــــ ہر مذہب ، ہر فرقہ اور ہر طبقے کے لوگ ایک ساتھ اتنے مضطرب ، اتنے خوف زدہ اور اتنے بے چین رہے ہوں جتنے آج ہیں ــــ آج کے لوگوں نے چنگیز ، ہلاکو ، ہٹلر اور مسولینی کا دور نہیں دیکھا ہے صرف تاریخ کے صفحات پر بکھرے ان واقعات کو پڑھا ہے اور اس کے تذکرے سے آج بھی ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں ــــ جہاں لوگوں نے اس دور کے ظلم وستم کے واقعات کو پڑھا ہے وہیں ان واقعات کو انجام دینے والوں کے ’’انجام‘‘ کو بھی پڑھا ہے ــــ ان کے ذہنوں میں ہٹلر کے خاندان کی اجتماعی خودکشی اور مسولینی کی سڑک پر گھسٹتی لاش عبرت کے لئے آج بھی محفوظ ہے ــــ وہ وقت تھا آمریت کا ــــ آمر زیادہ تر ایسا ہی انجام پاتے ہیں ۔لیکن وقت بدل گیا ہے اب آمر ، آمریت کا لبادہ پھینک کر جمہوریت کا لباس زیب تن کر چکے ہیں ۔ اب عوام اپنے ہاتھوں سے ، اپنے ووٹوں سے کسی کو اقتدار تک پہنچاتے ہیں لیکن کچھ دنوں کے بعد اقتدار کے نشے میں چور وہ خود آمر بن جاتے ہیں ۔ اس کی زندہ مثال خود ہمارا وطن عزیز ہے ۔ جہاں بڑے ارمان سے لوگوں نے ایک ایسی جماعت کو اقتدار سونپا تھا جس نے بڑے سبز باغ دکھائے تھے ، ملک کا نقشہ بدل دینے کا وعدہ کیا تھا ــــ یہ جماعت اقتدار میں آ گئی اور پہلا دور ختم کر کے دوسرے دور کا بھی کافی عرصہ نکال دیا لیکن سبھوں کو اس کا افسوس ہے کہ کچھ بدلا نہیں بلکہ سب کچھ الٹا ہو گیا ۔ ایسے ایسے قوانین بنائے گئے جس کا سیدھا اثر غریب اور عام آدمی پر پڑا ۔

بے روزگاری، غربت، نفرت اور آپسی نفاق نے پورے ملک کو اپنے حصار میں لے لیا ہے، حکومت کٹی پتنگ کی طرح ڈول رہی ہے۔ کسی کا کوئی پرسان حال نہیں ہے، لوگ پریشان ہیں اور پریشان ہو کر اپنے گھروں سے نکل پڑے ہیں۔ ان میں عورتیں بھی ہیں جنہوں نے کبھی گھروں سے باہر قدم نہیں رکھا تھا وہ آج سراپا احتجاج ہیں۔ عورتیں، بوڑھے، جوان، بچے پورے ملک میں سردی کی اس ٹھٹھرتی رات میں سڑکوں پر دھرنا دیئے بیٹھے ہیں چاہے وہ دہلی کا شاہین باغ ہو یا پٹنہ کا سبزی باغ، حیدرآباد ہو یا کیرالا کا کوئی میدان غرض ہر جگہ ہزاروں لاکھوں افراد جان دینے کو تیار ہیں۔ حکومت کے بنائے ہوئے کالے قوانین اور ان کو نافذ کرنے کی سمت میں بڑھتے قدم لوگوں کو ہراساں اور پریشان کئے ہوئے ہیں۔۔۔ خاص کر شہریت کے بارے میں حکومت کی بری نیت اور گاہے گاہے اقتدار پر مسلط بڑے بڑے وزراء اور خود وزیر اعظم جو بے تکی اور الٹی سیدھی باتیں کر رہے ہیں اس سے لوگوں میں ہیجان پیدا ہو رہا ہے۔ کبھی وزیر اعظم اپنے وزراء کے بیان کی تردید کرتے ہیں اور کبھی وزیر اعظم کے قریب ترین وزراء بھی خود وزیر اعظم کی تردید کر رہے ہیں۔ عجیب عالم ہے ایسا لگتا ہے کہ مرکزی کابینہ ایسے سر پھرے لوگوں کا ایک گروپ ہے جس کے سامنے کوئی راستہ نہیں کوئی منزل نہیں۔ اپنے ملک کی کیا حالت ہو رہی ہے اس پر کوئی توجہ نہیں ہے بس سب کے سب اپنے دشمن نمبر ایک پاکستان کے روز وشب پر نظر لگائے بیٹھے ہیں کسی نے تنگ آ کر کہا ہے کہ لگتا ہے کہ ہمارے ملک کی کابینہ پاکستان کی کابینہ بن گئی ہے جو صرف وہاں کے بارے میں سوچتی رہتی ہے۔ عوام کو بھی ورغلایا گیا ہے کہ اگر پاکستان کو تباہ و برباد کر دیا گیا تو ہمارا ملک خود بہ خود تمام مسائل سے پاک ہو جائے گا۔ اپنے دوسرے دور کے انتخابی جلسوں میں برسر اقتدار جماعت نے یہی پالیسی اپنا کر عوام کو گمراہ کر کے ووٹ حاصل کیا تھا۔۔۔ حکومت حاصل کر لینے کے بعد مودی اور ان کے ہمنواؤں میں ایسی تبدیلی آئی کہ وہ اپنے عوام کو بالکل بھول گئے۔ مسلمان تو خیر بھولنے والی چیز ہی تھے، انہیں تو بھولے ہی، دوسرے فرقہ اور دوسرے طبقہ کو بھی پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اچھی طرح سمجھ گئے ہیں کہ ان حالات کو بدلنا ہے۔ اگر آج خاموش رہ گئے تو نہ صرف وہ بلکہ ان کی آئندہ آنے والی نسلیں بھی اس منافرت کی آگ میں جھلس جائیں گی، اس آگ میں نہ صرف مسلمان، جن سے ان کی خاص دشمنی ہے، بلکہ پچھڑے طبقے کے لوگ جنہیں ہزار ہا سال سے اونچی ذات والوں نے پیروں سے روندا ہے سب کے سب جلا کر خاک کر دیے جائیں گے۔

دوسری طرف حکومت بھی رسوائے زمانہ قانون کا نام بدل بدل کر کبھی سی اے اے، کبھی این آر سی، کبھی این آر پی رکھ کر اسی قانون کو مسلط کرنا چاہتی ہے جس کے ذریعہ وہ ایک خاص مذہب، خاص طبقہ یا سماج کے مخصوص لوگوں کو مشتبہ بتا کر ہمیشہ کے لئے اپنے رحم و کرم پر رکھنا اور انہیں اپنے لئے استعمال کرنا چاہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پورا ملک آج دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔۔۔ ایک وہ جو ایسے قانون کو لاگو کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے وہ جو ملک کو متحد رکھ کر روایتی گنگا جمنی تہذیب کے ساتھ ملک کو ترقی کی راہ پر آگے لے جانا چاہتے ہیں۔

اس ملک کے باشعور شہری کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ پہلی قسم کے لوگوں میں شامل ہو کر مہاتما گاندھی کے قاتل کی صف میں رہنا چاہتے ہیں یا دوسری صف میں شامل ہو کر مہاتما گاندھی، امبیڈکر، مولانا آزاد کی صف میں جگہ بنانا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔ ہم سوچتے رہے، حکمت عملی بناتے رہے اور ملک کی پارلیمنٹ سے ایسے قانون پاس ہوتے رہے جن پر آج سبھی کف افسوس مل رہے ہیں — اب بھی وقت ہے ہم، لوگوں کو متحد کر کے اس قانون کی مخالفت میں سڑکوں پر نکل پڑیں، ان لوگوں کے ہاتھ مضبوط کریں، ان کا ساتھ دیں جو دن کا چین اور راتوں کی نیند حرام کر کے اپنے آنے والی نسلوں کے مستقبل کو تاریک ہونے سے بچانا چاہتے ہیں۔ ہم مستقبل ساز ہیں، اچھے مستقبل کے امین، کوئی کوڑا کرکٹ نہیں جسے جھاڑو سے ہٹا کر کنارے لگا دیا جائے۔ اس وقت سب سے زیادہ اہمیت ہے ''سر'' کی جسے وقت پر گنا بھی جا سکتا ہے اور کٹایا بھی جا سکتا ہے، ہم پچیس فی صدی لوگ جسے دبے کچلے لوگوں کے ساتھ ملا کر پچاس ساٹھ فی صد بنایا جا سکتا ہے ایک عظیم تاریخ رکھتے ہیں — علمائے کرام کی تاریخ ہمارے آگے اور شہیدوں، متوالوں کی تاریخ ہمارے پیچھے ہے۔ ہم حق پر ہیں اور حق ہمارے ساتھ ہے، پھر اپنے عزیز وطن سے نکالے جانے یا ڈیٹن شن کیمپ میں ڈال دیے جانے کا خوف کیوں ہو۔ آپ سے حکومت جو بھی چاہے اگر ممکن ہو دکھا دیجئے ناممکن ہو تو پیٹھ پھیر کر چلے جائیے ہر قسم کی فکر و تردد سے آزاد ہو کر۔ یاد رکھئے جو ڈرتا ہے مرتا ہے اور جو لڑتا ہے وہی جیتتا ہے۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

حضرت مولانا سید شاہ عون احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ

● مولانا شاہ بدر احمد مجیبی

آپ کا وطن صوبہ بہار کی راجدھانی عظیم آباد پٹنہ کا مشہور قصبہ پھلواری شریف ہے۔ یہ قصبہ عرفان وتصوف کے ساتھ علوم دینیہ کا بھی مرکز رہا ہے۔ ادب وشاعری اور علوم عصریہ کے ماہرین بھی بڑی تعداد میں اس قصبہ سے نکلے ہیں اور انہوں نے دنیا میں نام پیدا کیا ہے۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ اس قصبہ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

''پھلواری کی یہ بستی ایک ایسی ''مرکزی جامعہ'' یا ''یونیورسیٹی'' کی خدمات انجام دیتی رہی جس سے تقریباً دوسو سال تک فارغ التحصیل ہوہو کر ارباب فضل وکمال ملک کے طول وعرض میں مسلسل پھیلتے رہے اور زندگی کے مختلف شعبوں میں شریک ہوہو کر امتیاز حاصل کرتے رہے..... کتنے قاضی، کتنے مفتی، کتنے صدر اعلی، کتنے صدر امین، قانون گو اور انقلاب کے بعد کتنے منصف، کتنے ڈپٹی، کتنے مجسٹریٹ، کتنے وکیل، کتنے مختار، سرشتہ دار، پیش کار وغیرہ پھلواری کے مقیمی شعبہ سے حکومت قائمہ کو ملتے رہے، گننے کے بعد شاید ان کا شمار سینکڑوں سے بھی آگے بڑھ جائے تو تعجب نہیں، بہار ہی نہیں بلکہ بیرون بہار بنگال کے مشرقی اور مغربی علاقوں میں حکام کی ایک بڑی تعداد آپ کو پھلواری کے تعلیم یافتوں کی ملے گی''۔۔۔(مقدمہ آثارات پھلواری شریف ص:۱۱)

مولانا شاہ عون احمد قادری کا نسبی تعلق پھلواری شریف کے ممتاز خانوادہ جعفری وزینبی سے ہے۔ نویں صدی کے آخر میں اس خانوادے کے جد اعلی حضرت امیر عطاء اللہ جعفری (م: ۹۶۴ھ) کمسنی میں اپنے والد ماجد شاہ سعد اللہ جعفری کے ساتھ دہلی سے یہاں آکر آباد ہوئے۔ یہ خاندان حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار اور حضرت زینب بنت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے علی الزینبی کی اولاد میں ہے، اس لئے جعفری وزینبی کہلاتا ہے۔ پھلواری کے اس خاندان میں اکابر صوفیہ کے علاوہ ممتاز فقہاء ومحدثین بھی پیدا ہوئے ہیں۔ جن میں ایک اہم نام ملا فصیح الدین جعفری (م:۱۱۱۹ھ) کا بھی ہے جو سلطان ہند اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ممتاز فقیہ ومدرس تھے اور بادشاہ وقت کے حکم سے فتاوی ہندیہ کی ترتیب میں بھی شریک رہے۔

اسی خانوادے میں گیارہویں صدی ہجری میں ایک عظیم علمی وروحانی شخصیت حضرت تاج العارفین مخدوم شاہ مجیب اللہ قادری قدس سرہ (م ۱۱۹۱ھ) کی گزری ہے جو اپنی علمی وروحانی خدمات کی وجہ سے صوبہ بہار اور بیرون بہار بھی ممتاز ونمایاں رہی ہے۔ان کا مسکن وتکیہ بعد میں خانقاہ مجیبیہ کے نام سے معروف ومشہور ہوا۔خانقاہ مجیبیہ کے دوسرے مشائخ بھی تصوف ومعرفت کے ساتھ دینی علوم میں ممتاز تھے۔

تیرہویں صدی کے اواخر اور چودھویں صدی کے اوائل میں اسی خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت مولانا سید شاہ بدرالدین قادری قدس سرہ (م: ۱۳۴۳ھ) تھے جو اپنی دینی مرجعیت اور روحانی شخصیت کے اعتبار سے سرزمین ہند کے مشائخ وعلماء میں امتیازی شان کے حامل تھے۔جب حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجادؒ کی تحریک پر صوبہ بہار میں امارت شرعیہ کا قیام ہوا تو مجمع عام میں امیر شریعت اول کی حیثیت سے آپ کا انتخاب ہوا تھا۔آپ کا دور امارت کا تاسیسی دور تھا۔

مولانا شاہ عون احمد قادری امیر شریعت اول کے حفید تھے اور استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید شاہ نظام الدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔آپ کی ولادت ۲۰/ رجب ۱۳۴۰ھ (۱۹۲۱ء) میں ہوئی۔ابتدائی تعلیم وتربیت وطن پھلواری شریف میں ہی اپنے والد ماجد اور دیگر بزرگوں سے حاصل کی۔آپ کے والد ماجد حضرت مولانا شاہ نظام الدین قادریؒ تصوف ومعرفت میں امتیاز کے ساتھ اپنے وقت کے بڑے ماہر استاذ تھے۔ابتدائی کتابوں سے لے کر تفسیر وحدیث، فقہ واصول کی منتہی کتابیں بھی ان کے زیر درس رہتی تھیں۔انہوں نے تقریباً ساٹھ سال تک مسند درس کو آباد رکھا۔اٹھاسی سال کی عمر میں ۱۴۰۲ھ (۱۹۸۲ء) میں وفات پائی۔

آپ کے عم محترم حضرت مولانا سید شاہ محی الدین قادری امیر شریعت ثانیؒ نے مزید تعلیم کے لئے آپ کو اس زمانے کے مشہور استاذ حضرت مولانا محمد شریف اعظمیؒ (مصطفےٰ آباد، مبارکپور اعظم گڑھ) کے پاس بھیج دیا، حضرت مولانا محمد شریف صاحب اس دور کے مشہور ومعروف عالم اور کثیر التلامذہ استاذ حضرت مولانا برکات احمد ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ (ٹونک، راجستھان) کے شاگرد رشید اور ممتاز صاحب درس تھے۔امیر شریعت اول حضرت مولانا شاہ بدرالدین قادریؒ سے ان کو ارادت تھی۔اس وقت مولانا محمد شریف اعظمیؒ الہ باد کے مدرسہ مصباح العلوم میں مدرس تھے۔وہ اپنے ساتھ آپ کو بھی الہ باد لے گئے۔

مولانا شاہ عون احمد قادریؒ نے استاذ محترم کے ساتھ کچھ عرصہ الہ باد میں قیام کرکے تعلیم حاصل کی۔پھر استاذ محترم کے وطن مصطفی آباد مبارکپور میں قیام کرکے ان سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد استاذ محترم کے ساتھ مختلف مدارس میں رہ کر تعلیم حاصل کی، مولانا شریف صاحب شوال ۱۳۵۷ھ میں لکھنؤ فرنگی محل کے مدرسہ قدیمہ میں استاذ کی حیثیت سے بلائے گئے۔

پھر ایک سال بعد دارالعلوم معینیہ عثمانیہ اجمیر میں بلائے گئے، سب مقامات پر آپ ان کے ساتھ رہ کر تعلیم حاصل کرتے رہے۔ فرنگی محل میں مفتی ابوالقاسم محمد عتیق فرنگی محلیؒ سے اور اجمیر میں حضرت مولانا معین الدین اجمیریؒ سے بھی درس لیا۔ اجمیر میں ہی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ۱۳۶۲ھ میں آپ کی فراغت ہوئی۔ استاذ محترم مولانا محمد شریف اعظمی نے آپ کو مرویات حدیث کی بھی اجازت دی۔

تحصیل علم سے فراغت کے بعد آپ پھلواری شریف واپس آئے اور اپنے عم محترم حضرت مولانا شاہ محی الدین قادریؒ کی رہنمائی میں آپ نے علمی اور تدریسی مشغلہ اختیار کیا۔ خانقاہ مجیبیہ علوم طریقت کے ساتھ علوم شریعت کا بھی مرکز تھی۔ اس کے مدرسہ میں آپ نے تدریس شروع کی اور مختلف فنون کی کتابیں پڑھانے لگے۔

اس وقت امارت شرعیہ بہار کا صدر دفتر خانقاہ مجیبیہ کے ایک حصہ میں قائم تھا۔ اس لئے اس سے بھی ربط رہا۔ آپ کا تعلق تدریس کے ساتھ افتاء وقضاء سے بھی رہا۔ امیر شریعت ثالث حضرت مولانا شاہ قمر الدین قادری قدس سرہ نے اپنے زمانے میں آپ کے علمی وفقہی ذوق کو دیکھتے ہوئے آپ کو قاضی شریعت حضرت مولانا سید نورالحسن پھلواروی کا نائب بنادیا، اس وقت سے آپ نے ایک عرصہ تک امارت شرعیہ کے نائب قاضی کی حیثیت سے کام کیا اور قضاء کے امور سے مکمل واقفیت حاصل کی، حضرت قاضی نورالحسن صاحب کی علالت کے زمانے میں آپ کو فیصلہ کرنے کا اختیار بھی مل گیا تھا۔ ۱۳۷۵ھ (۱۹۵۵ء) میں قاضی نورالحسن صاحب کی وفات کے بعد امیر شریعت ثالث نے باقاعدہ حکم تحریر فرما کر آپ کو قاضی شریعت کے عہدہ پر متعین کیا۔ اس کے بعد آپ قاضی شریعت کی حیثیت سے خدمات انجام دینے لگے۔ مقدمات میں آپ کے دئے گئے فیصلوں کی تعداد تقریباً چار سو ہے، ان میں سے کچھ منتخب فیصلے ''قضایا امارت شرعیہ'' میں شائع ہو چکے ہیں۔

امیر شریعت رابع حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کے اوائل دور امارت میں جب پہلی مرتبہ تربیت قضاء کا اہتمام ہوا اور خانقاہ رحمانی مونگیر میں قضاء کی تربیت لینے کے لئے صوبہ بہار اور بیرون صوبہ کے علماء کرام جمع ہوئے تو بحیثیت قاضی آپ نے ہی ان اہل علم کی تربیت فرمائی۔ تربیت قضاء کا یہ پروگرام دو ہفتہ چلتا رہا تھا۔ اس میں تربیت لینے والے علماء کرام میں سے متعدد حضرات بعد میں قضاء کے منصب پر فائز ہوئے اور بڑی خدمات انجام دیں۔ ان تربیت لینے والوں میں حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ اور حضرت مولانا نظام الدینؒ امیر شریعت سادس بھی تھے۔

اس زمانے میں آپ کا ایک فیصلہ بہت مشہور ہوا تھا جس میں مقدمہ سرکاری مجسٹریٹ کے یہاں سے دارالقضاء امارت شرعیہ میں آیا تھا، مجسٹریٹ نے یہ کہہ کر اس کو دارالقضاء بھیجا تھا کہ مسلمانوں کا مذہبی مسئلہ ہے، اس لئے مسلمانوں کے دارالقضاء سے اس کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ جب دارالقضاء سے آپ نے اس کا فیصلہ فرمایا تو مجسٹریٹ نے اس کو نافذ کرایا۔ یہ دارالقضاء امارت شرعیہ کا تاریخی فیصلہ ہے جس کو حکومت کی طرف سے نافذ کرایا گیا تھا۔ آگے ہم اس کا کچھ حصہ پیش کریں گے۔

قضاء کی خدمات کے ساتھ خانقاہ مجیبیہ کے قدیم مدرسہ ''دارالعلوم خانقاہ مجیبیہ'' میں تدریس کا سلسلہ بھی آپ نے جاری رکھا۔ بعد میں بعض حالات کی وجہ سے آپ خانقاہ مجیبیہ اور اس کے مدرسہ اور دارالافتاء کے لئے یکسو ہو گئے۔ دارالعلوم مجیبیہ میں آپ فقہ واصول وحدیث وتفسیر کی کتابوں کا درس دیتے تھے۔ حدیث میں سنن ترمذی، صحیح بخاری وصحیح مسلم اور فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ غیرہ زیر درس رہتیں۔ آپ کے تلامذہ کی بڑی تعداد ہے۔ فقہ آپ کا خاص موضوع تھا، دارالافتاء خانقاہ مجیبیہ جو ایک قدیم دارالافتاء ہے اس سے طویل عرصہ تک آپ سائلین کے سوالات کے تشفی بخش مدلل جوابات دیتے رہے۔ اس طرح آپ کے فتاوی کی ایک بڑی تعداد جمع ہوگئی جو متعدد ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے۔

آپ کی فقہی بصیرت کا اعتراف صوبہ بہار سے باہر بھی کیا گیا۔ چنانچہ جب دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' قائم ہوئی تو اس کے پانچ یا چھ ارکان پر مشتمل کمیٹی میں آپ کو بھی شامل کیا گیا۔ آپ اس کے اہم رکن تھے۔ اس کی مجالس اور فیصلوں میں آپ برابر شریک رہے۔ اس کے متعدد اہم اور تاریخی فیصلوں پر آپ کے دستخط موجود ہیں۔

جب جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے حضرت مولانا محمد میاں دیوبندی کی نگرانی میں مباحث فقہیہ کا ادارہ قائم ہوا اور بعض فقہی مسائل کی تحقیق کا کام شروع ہوا تو آپ کو بھی اس میں شریک کیا گیا تھا۔ آپ نے بھی ان موضوعات پر اپنی تحقیق پیش فرمائی۔ اسی طرح اسلامک فقہ اکیڈمی ہند کا قیام عمل میں آیا تو ابتداء میں بعض مسائل کی تحقیق کے لئے آپ سے بھی رجوع کیا گیا تھا اور آپ نے اپنی رائے پیش کی تھی۔ فقہی تحقیقات سے متعلق آپ کے مضامین ہیں جن کو جمع کیا جائے تو ایک مکمل کتاب تیار ہو جائے گی۔ اللہ تعالی اہل علم کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

آپ جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر اور جمعیۃ علماء بہار کے صدر تھے اور آخر تک رہے۔ جب امارت شرعیہ ہند کا قیام عمل میں آیا تو امور قضاء کے وسیع مطالعہ اور اس میں مہارت کی وجہ سے امیر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے صدر محکمہ شرعیہ ہند یعنی پورے ہندوستان کے قاضی القضاہ کا عہدہ آپ کو تفویض کیا۔ اس کے بعد سے ملک کے مختلف محکمہ شرعیہ سے پیچیدہ مقدمات کی مسلیں آپ کے پاس ڈاک سے آتی تھیں اور آپ اپنی فقہی مہارت سے ان کا فیصلہ فرماتے تھے۔ اسی طرح مقدمات کے فیصلوں کی اپیلیں بھی آتی تھیں اور آپ نظر ثانی فرما کر فیصلہ دیتے تھے۔ ان فیصلوں کی بڑی تعداد ہے جو محکمہ شرعیہ ہند دہلی کے دفتر میں جمع ہے۔

جب ادارہ شرعیہ بہار کی بنیاد پڑی اور اس میں دارالقضاء قیام کیا گیا تو اس کے ذمہ داروں نے آپ کو عہدہ قضاء کی پیش کش کی مگر آپ نے معذرت کر لی، اس کے بعد قضاء کی تربیت کے لئے آپ سے رابطہ کیا گیا، آپ کی رضامندی کے بعد مفتی فضل کریم صاحب نے خانقاہ مجیبیہ آ کر آپ سے قضاء کی تربیت لی۔ تربیت کے بعد وہ دارالقضاء ادارہ شرعیہ کے قاضی ہوئے۔

آپ کی متعدد تصنیفات ہیں۔ ایک اہم تصنیف ''محی الملۃ والدین'' ہے۔ اس میں امیر شریعت ثانی حضرت مولانا شاہ

محی الدین قادری قدس سرہ کے حالات وخدمات کا تفصیلی تذکرہ ہے۔اس پر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا بہت وقیع اور جامع مقدمہ ہے۔

دوسری تصنیف ''نعمت کبری در حیات مصطفیٰ'' ہے۔یہ عقیدہ حیات النبی کے متعلق بہت مدلل اور جامع کتاب ہے۔ اس وقت بعض افراد نے عقیدہ حیات النبی کا انکار کر دیا تھا اور اس پر شبہات ظاہر کئے تھے،اسی کی وضاحت اور جمہور امت کے نزدیک اس کی حقیقت بیان کرنے کے لئے آپ نے اس کتاب کی تالیف کی تھی۔اردو میں اس اہم موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے،اس پر بھی حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا مقدمہ ہے۔

قنوت نازلہ کی تحقیق پر بھی آپ کا ایک رسالہ ہے،اس میں احادیث سے مصائب کے وقت نمازوں میں قنوت نازلہ پڑھنے کی تحقیق پیش کی ہے اور فقہائے احناف کی عبارتوں سے اس کی تائید وتوضیح کی ہے۔

ایک رسالہ ''سات اہم مسائل کا حل'' بھی آپ کا تحریر کردہ ہے،جس میں کچھ مختلف فیہ مسائل پر آپ نے اپنی تحقیق پیش کی ہے۔حج وزیارت کے موضوع پر بھی ایک رسالہ ہے۔آپ کے مضامین کثرت سے ماہنامہ ''المجیب'' پھلواری شریف میں شائع ہوتے رہے ہیں۔جو دینی،علمی اور فقہی مختلف موضوعات پر ہیں۔ان کو جمع کیا جائے تو متعدد جلدوں میں آئیں گے۔

آپ کے فتاوی اور قضایا کے جمع کرنے کا کام ہو رہا ہے۔اللہ تعالی اس کو جلد مکمل کرادے۔آپ کے فتاوی میں توازن اور اعتدال ہوتا تھا جس کی وجہ سے اہل علم اور عوام میں اس کی بہت قدر تھی۔اللہ تعالی نے آپ کو بہت وجاہت عطا فرمائی تھی،جلسوں میں صدر کی حیثیت سے شرکت فرماتے اور خطبہ صدارت تحریری پیش فرماتے۔جمعیت علماء ہند اور جمعیت علماء بہار کے پروگراموں میں پابندی کے ساتھ شرکت فرماتے تھے۔اسی طرح ندوۃ العلماء کے جلسوں میں بھی شرکت فرماتے تھے۔

آپ کے قضایا کے نمونہ کے طور پر ہم ذیل میں ''قضایا امارت شرعیہ'' سے آپ کے ایک اہم فیصلے کا کچھ حصہ پیش کرتے ہیں۔

اس فیصلہ کا تعارف کراتے ہوئے مرتب ''قضایا امارت شرعیہ'' یہ لکھتے ہیں۔

مقدمہ بسلسلہ تقرری امام احق بالامامۃ ورفع تنازع امت:

قصبہ کوآتھ (رہتاس) میں مسلک حنفی کی دو جماعت کے مابین امامت جامع مسجد کوآتھ و دیگر امور کو لے کر شدید اختلاف رونما ہوا۔پولیس کی مداخلت کے بعد جامع مسجد میں تالا لگا دیا گیا اور معاملہ ایس ڈی او سہسرام کی عدالت میں پیش ہوا۔ایس ڈی او صاحب نے امیر شریعت ثالث حضرت مولانا سید شاہ محمد قمر الدین صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں اس کے فیصلہ کے لئے ارسال کیا۔امیر شریعت نے اس وقت کے قاضی مولانا سید شاہ عون احمد صاحب قادری کو اس معاملہ کی تحقیق وسماعت کے بعد فیصلہ کرنے کا مختار ومجاز بنایا۔چنانچہ بعد تحقیق وسماعت بیانات فریقین وگواہان قاضی صاحب نے اپنا فیصلہ صادر

فرمایااور یہ فیصلہ نافذ بھی ہوا۔اس فیصلہ میں افتراق بین المسلمین کی شناعت اور جماعتی زندگی گزارنے کی اہمیت وضرورت پر مسلمانوں کومتوجہ کرتے ہوئے مسجد کمیٹی کو ہی امام کی تقرری ومعزولی کا اصل ذمہ دار تسلیم کیا گیا ہے اور تا انتخاب جدید نمائندہ کمیٹی ہر جماعت میں سے اولی اور اہل علم امام کو ایک جمعہ اور دوسری جماعت میں سے اسی صفت کے امام کو دوسری نماز جمعہ پڑھانے، پھر پنج وقتہ نمازوں میں ایک امام کو عصر ومغرب کی نماز اور دوسرے امام کو فجر،ظہر اور عشاء کی نماز پڑھانے کا حکم دیا گیا ہے۔نیز ہر دو فریق اور تمام مصلیوں کو بطیب خاطر ایک امام کی اقتداء میں مذکورہ جامع مسجد میں نماز ادا کرنے کا پابند بنایا گیا تا کہ امت میں یکجہتی اور اتحاد قائم ہو سکے۔

یہ مقدمہ اس نقطہ نظر سے نہایت اہم ہے کہ سرکاری عدالت سے منتقل ہو کر دارالقضاء امارت شرعیہ میں کیا گیا اور بعد فیصلہ ایس ڈی او صاحب کے ذریعہ اس فیصلہ کا نفاذ اور اس پر عمل درآمد بھی کرایا گیا۔(قضایا امارت شرعیہ: ۳۰۸/۲)

فیصلہ کافی طویل ہے جو ۱۹ رصفحات پر مشتمل ہے۔تمام تنقیحات کے بعد آخر میں فیصلہ کر کے حکم جاری کیا گیا ہے۔ہم آخر سے فیصلہ کا اصل حصہ پیش کرتے ہیں۔

''یہ متفقہ طور پر ثابت ہے کہ قصبہ کواتھ میں حنفی المسلک مسلمانوں کی دو جماعت ہوگئی ہے اور اختلافی عقائد کی اشاعت سے دونوں جماعتوں میں اتنا شدید انتشار ہوگیا ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے فریق وحریف بن گئے ہیں اور اس باہمی افتراق وتشتت کو فلاح دارین کا ذریعہ سمجھ رہے ہیں۔سب سے زیادہ المناک صورت حال یہ ہے کہ دونوں جماعتوں میں علماء شامل ہیں اور یہ کہنا خلاف حقیقت نہ ہوگا کہ خود علماء کرام بھی اس ذہنی ابتلاء میں گرفتار ہیں اور ایک دوسرے سے اختلاط وارتباط کو مذہبی گناہ سمجھ رہے ہیں۔تعجب تو یہ ہے کہ یہ اختلاف کوئی ایسا اصولی اختلاف بھی نہیں ہے جس سے ارکان دین میں خلل پیدا ہوتا ہو بلکہ وہ ایسے منطقی وعلمی مباحث ہیں کہ دونوں فریق کو اپنے اپنے معتقدات پر رہتے ہوئے بھی کوئی شرعی قباحت ایسی نہیں ہے کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز ناجائز قرار دیدی جائے اور کوئی فریق مخالف عقیدہ کے امام کے پیچھے نماز پڑھ لے تو نماز نہ ہو۔اس پر طرہ یہ کہ دونوں حنفی العقیدہ،فقہی مسائل میں امام اعظمؒ کے مقلد اور اہل السنۃ والجماعۃ ہونے کے مدعی ہیں۔

لیکن باوجود حنفیت میں اس ہم آہنگی کے وہ جزئی وفروعی اختلاف مسائل کی بناء پر اتنی شدید مخالفت پر اتر آئے ہیں کہ اصلاح کی راہ نہ پا کر عبد الحنان صاحب صدر مسجد کمیٹی کو اور مسجد کمیٹی کے دو ممبران کو احتجاجاً استعفاء دینا پڑا اور فریق مخالف کو دوسری کمیٹی ترتیب دینی پڑی۔پھر بھی معاملہ سنبھل نہ سکا تو پولیس نے مداخلت کی اور بالآخر ایس ڈی او صاحب کو آکر سد باب فتنہ کے لئے بڑی مسجد میں نماز جمعہ روک دینی پڑی۔چنانچہ اب تک جامع مسجد میں نماز جمعہ بند ہے اور وہاں کے مسلمان افتراق وتشتت میں پھنس کر اور فروعی اختلاف میں الجھ کر فرائض وواجبات اسلام کی ادائیگی سے محروم کر دئے گئے۔فاعتبروا یا اولی الابصار۔

عوام تو عوام چونکہ علماء امت بھی اس ابتلاء میں مبتلاء ہیں اور مسلمانان قصبہ کوا تھ کی جماعتی زندگی کا شیرازہ بکھر کران کو جماعتی موت کی طرف لے جارہا ہے اس لئے مسلمانان کوآتھ بالخصوص علماء کرام کو افلا یتدبرون القرآن کو پیش نظر رکھتے ہوئے ملی زندگی کی اس ناقابل فراموش حقیقت پرغور کرنا چاہئے جس کا ذکر قرآن کریم میں انبیاء ماسبق کے عہد سے اس امت مرحومہ کے دور تک بار بار کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ جماعتی زندگی کس درجہ اہمیت رکھتی ہے اور تفریق امت کس حد تک خطرناک ہے۔

قرآن کریم کے واضح بینات جو مسلمانوں کے لئے باعث تذکیر ہیں ان سے یہ بصیرت ملتی ہے کہ امت کا باہمی اختلاف اس حد تک نہ بڑھ جائے کہ آپس میں پھوٹ پڑ جائے، پھر یہ پھوٹ ان کو اجتماعی موت کے عذاب میں مبتلا کردے۔اس لئے میں مسلمانان کوآتھ کو بالعموم اور علماء کوآتھ کو بالخصوص یہ ہدایت کرتا ہوں کہ وہ افتراق بین المسلمین کی ہلاکت آفرینی پرغور کریں اور جلد از جلد باہمی اتحاد واتفاق کے ذریعہ شرعی نظام کے ماتحت یکجہتی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی راہ اختیار کریں کہ یہی ایک راہ صراط مستقیم ہے اور اسی میں فلاح دارین کی بشارتیں پنہاں ہیں۔اللھم الف بین قلوبھم واصلح ذات بینھم۔

عقیدۃً واحکاماً حنفی المسلک ہونے کی حیثیت سے مسلمانان کوآتھ کو یہ حقیقت زیادہ پیش نظر رکھنی چاہئے کہ وہ ایک مسلک اور ایک جماعت کے افراد ہیں جن میں دیگر وجوہ کے علاوہ اس اعتبار سے بھی یکجہتی اور یگانگت موجود ہے۔اس لئے اصول میں اتفاق کے باوجود محض فروع کے اختلاف پر زیادہ زور نہیں دینا چاہئے۔اتفاق واتحاد کے اسی نکتہ کے پیش نظر نماز ہر اچھے برے کے پیچھے جائز قرار دی گئی ہے جس کا حوالہ ابتداء میں دیا گیا۔

باقی رہا اولی بالامامۃ کا مسئلہ تو وہ اپنی جگہ پر مسلم ہے اور انتخاب امامت کے وقت اس کا لحاظ بہرحال ضروری ہے۔ اہل علم مسلمانوں میں جو شرائط صحت امامت اور نماز کی جماعت کے احکام ومسائل سے خوب واقف ہو، قرآن کریم صحت کے ساتھ اور حتی الامکان ادائیگی مخارج کے ساتھ پڑھتا ہو، مختلف فیہ مسائل واعتقادیات میں محتاط روش پر عمل کرتا ہو، کسی ایک جانب شدت اختیار نہ کرے، خاص کر ایسی جگہ جہاں کے مصلی مختلف الخیال ہوں وہاں کے امام میں یہ صفت ہونی بھی لازم ہے اور جمعہ واعیاد کا امام مصلیوں کے ذاتی بغض وعناد اور جھگڑوں سے ہمیشہ علیحدہ رہے۔بلکہ وعظ و پند سے جھگڑوں کو مٹانے کی کوشش کرے اور کسی کی جانب داری نہ کرے۔صحابہ کرامؓ اور اصحاب صلاح کے اسوہ سے یہ رعایت بھی امام میں ہونی ثابت ہے۔جو ان شرائط کا حامل ہو بلاتفریق ہر مسلمان کو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنی چاہئے اور جزئی اختلاف کے باوجود ہر طبقہ و مسلک کے مسلمانوں کو یکجہتی کے ساتھ متفقہ طور پر نماز ادا کرنی چاہئے۔

ان ہدایات کے ساتھ مسلمانان کوآتھ کی وقتی اور موجودہ کشمکش کو سامنے رکھتے ہوئے حسب ذیل حکم دیتا ہوں۔

حکم :

(۱) کوآتھ کی جامع مسجد کے امام کی تقرری اور دیگر انتظامی امور کی انجام دہی مسجد کمیٹی کرتی آئی ہے اور وہی اس کی مجاز ومختار ہے۔

(۲) ماضی کے عمل اور کارروائیوں سے یہ ثابت ہے کہ مدرسہ رشیدیہ کو امام کے عزل وتقرر کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ وہ اس کا مجاز ہے۔

(۳) موجودہ کمیٹی جو ۳۱؍جولائی ۱۹۵۶ء کو عبدالحنان خاں صاحب صدر کے احتجاجی استعفاء کے بعد حسب بیان مدعا علیہم بنائی گئی ہے اور جس کے صدر عبدالمجید خاں قرار دئے گئے ہیں محض ترتیبی ہے، اس کو کوآتھ کے عام مسلمانوں کی نمائندگی حاصل نہیں ہے۔

اس لئے مسلمانان کوآتھ کو چاہئے کہ جلد از جلد ایسا مزاج پیدا کریں جو باہمی مناقشات اور جزئی وفرعی اختلافات سے قطع نظر جماعتی زندگی اور شرعی نظام کو برقرار رکھنے کے لئے عام مسلمانوں کی رائے سے دوبارہ مسجد کمیٹی کو تشکیل دے سکے اور جس کو دونوں فریق کی نمائندگی حاصل ہو جو پانچ ماہ کی مدت میں عمل میں آجائے۔یعنی ماہ شوال ۱۳۷۶ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۵۷ء تک نمائندہ کمیٹی بن جائے اور وہ کمیٹی مندرجہ بالا شرائط امامت کے مطابق احکام شرع اور مصالح امت کو پیش نظر رکھ کر بلاتفریق مسلک وخیال افضل واحق بالامامۃ اور محتاط شخص کو امام منتخب کرے۔ یہ انتخاب ماہ شوال کی آخری تاریخ تک انجام پاجائے۔

جب تک نمائندہ کمیٹی کی تشکیل نہ ہوجائے اس وقت تک جامع مسجد کوآتھ میں پنجگانہ نماز اور نماز جمعہ اس طرح ادا کی جائے کہ مدعیان میں سے کوئی اہل علم واولی بالامامۃ شخص دووقت یعنی عصر اور مغرب کی نماز پڑھائے اور مدعا علیہم میں سے کوئی اہل علم اور اولی بالامامۃ آدمی تین وقت یعنی فجر، ظہر اور عشاء کی نماز پڑھائے۔ایک جمعہ میں خطبہ اور نماز مدعیان میں سے کوئی متصف صفات بالاشخص پڑھائے اور دوسرے جمعہ میں خطبہ ونماز مدعا علیہم میں سے جو صفات بالا سے متصف ہو وہ پڑھائے۔اسی طرح تیسرا جمعہ مدعیان کے لوگ پڑھائیں اور چوتھا جمعہ مدعا علیہم کے لوگ پڑھائیں اور نوبت بہ نوبت اسی طرح عمل جاری رہے۔

لیکن فیصلہ سنانے کے بعد جو پہلا جمعہ ادا کیا جائے اس کے لئے خاص حکم یہ ہے کہ اس جمعہ میں صرف خطیب مدعیان کا آدمی ہو اور امام مدعا علیہم کا آدمی۔یعنی مدعیان میں سے کوئی خطبہ دے اور مدعا علیہم میں سے کوئی نماز پڑھائے۔ دونوں فریق کے لئے نوبت بہ نوبت جمعہ پڑھانے کا مندرجہ بالا حکم اس پہلے جمعہ کے بعد سے شروع ہو۔

پنجگانہ وجمعہ کی ان تمام جماعتوں میں ہر دو فریق اور تمام مصلی بہ طیب خاطر ایک امام کی اقتداء میں جامع مسجد میں نماز ادا کریں، بجز ان لوگوں کے جن پر دوسری مسجدوں کی ذمہ داریاں ہوں۔بقیہ تمام لوگ پوری یکجہتی ویگانگت کے

مظاہرے کے ساتھ نماز پڑھیں اور اس عرصہ میں عوام وخواص میں سے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنی تحریر یا تقریر میں دوسروں کے عقیدے یا مسلک کے خلاف ایسی شدت آمیز باتیں نہ بیان کریں جس سے باہم نفرت وعناد بڑھے اور قصبہ کی مذہبی فضا مکدر ہو بلکہ حتی الامکان صلح کل کے رویہ پر عمل کریں اور کسی اختلافی مسئلہ کی تعبیر میں شدت اختیار نہ کریں۔

محمد قمر الدین — عون احمد قادری

(حضرت امیر شریعت مدظلہ) — ۳/ جمادی الثانیہ ۱۳۷۶ھ

مطابق ۵/ جنوری ۱۹۵۷ء

(قضایا امارت شرعیہ: ۲/ ۳۲۳-۳۲۷)

قضایا کے نمونے کے بعد آپ کے فتاوی کے نمونے کے طور پر ذیل میں دارالافتاء خانقاہ مجیبیہ کے رجسٹر سے آپ کے دو فتوے پیش کئے جاتے ہیں۔

استفتاء: ریاض کی دو بیویاں ہیں، اس کی پہلی بیوی کا دودھ ایک لڑکے نے پیا، اس کے کچھ عرصہ کے بعد ایک لڑکی نے اس کی دوسری بیوی کا دودھ پیا۔ ریاض اور اس کی بیویوں سے سوائے دودھ پلانے کے ان دونوں کا اور کوئی رشتہ نہیں ہے۔ دریافت طلب یہ ہے کہ ان دونوں لڑکا اور لڑکی میں رضاعت کا رشتہ ہوا یا نہیں؟ اگر ان دونوں کا نکاح کیا جائے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

الجواب واللہ الموفق للصواب

صورت مسئولہ میں لڑکا اور لڑکی میں یہ تعلق ہوا کہ ایک کے رضاعی باپ کی رضاعی اولاد دوسرا ہے، اور رضاعی باپ کی خواہ نسبی اولاد ہو یا رضاعی اس سے رضاعت کا رشتہ ہوجاتا ہے۔ اور حرمت رضاعت اُس صورت میں ہوگی جب دونوں نے اپنی اپنی مرضعہ ماں کا وہی دودھ پیا ہو جو دونوں مرضعہ کو ایک ہی شوہر سے ہو۔ اگر ایک مرضعہ نے بھی کسی ایک کو وہ دودھ پلایا ہو جو اس کو کسی دوسرے شوہر سے ہو تو دونوں میں رضاعت نہ ہوگی، لیکن اگر دونوں بیویوں نے اسی ایک شوہر کا دودھ پلایا ہو تو دونوں لڑکا لڑکی میں رضاعت ہوجائے گی۔

فقہ کی کتابوں میں ہے کہ ''دو عورتیں جن دونوں کا دودھ کسی ایک مرد سے ہو ان دونوں نے کسی دو لڑکیوں کو الگ الگ دودھ پلایا ہو تو وہ دونوں لڑکیاں باہم رضاعی بہن ہوگئیں، اس لئے ایک شخص کی زوجیت میں یہ دونوں بہن جمع نہیں ہوسکتیں''۔

اس مسئلہ میں بھی رضاعی باپ ریاض کی وجہ سے (اگر ریاض ہی کا دودھ دونوں نے پلایا ہو) ان دونوں لڑکا لڑکی میں رضاعت ہوگئی، اس لئے ان کا باہم نکاح جائز نہیں ہے۔

واذا ارضعت اجنبیتان لھما لبن من رجل واحد صغیرتین تحت رجل حرمتا علی زوجھا۔(عالمگیری جلد ۲ کتاب الرضاع ص۳۵۹)

ولبنھما من رجل ای واحد وقید بہ لیتصور التحریم بین الصغیرتین لانھما صارتا اختین لاب رضاعاً۔(ردالمحتار للشامی، کتاب الرضاع، جلد ۲ ص۶۷۹)

ھذاما ظھر لی واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

المجیب

عون احمد قادری غفرلہ

الجواب صواب
محمد نظام الدین پھلواری کان اللہ لہ

المجیب مصیب
محمد عثمان غنی غفرلہ

(رجسٹر دارالافتاء خانقاہ مجیبیہ)

استفتاء: چار رکعت والی نماز میں اگر مصلی بھول کر دوسری رکعت کے جلسہ میں نہیں بیٹھا اور تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہوگیا پھر یاد آنے پر جلسہ کے لئے بیٹھ گیا اور چار رکعت پوری کر کے سجدہ سہو کر کے نماز تمام کی۔ایسی صورت میں نماز ہوگئی یا اعادہ کی ضرورت ہے؟

الجواب ھو الموفق للصواب

اگر قعدہ اولیٰ میں مصلی سہواً کھڑا ہو جائے تو کھڑے ہونے کے بعد اس کو بیٹھنا نہیں چاہئے، بلکہ بغیر قعدہ اولیٰ کے، نماز پوری کرلے اور آخر میں سجدہ سہو کرلے۔حضرت ملا بحرالعلوم فرنگی محلی فرماتے ہیں:

فان سھی عن القعدۃ الاولی وقام الی الثانیۃ لایعود الی القعدۃ ویسجد للسھو۔(رسائل الارکان ص:۹۴)

فقہ کی تمام کتابوں میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔لیکن اگر مصلی کھڑے ہونے کے بعد اس صورت میں پھر لوٹ کر قعدہ کرے اور نماز پوری کرے تو نماز کے فاسد ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں فقہاء کے دو قول ملتے ہیں۔عام فقہاء کے قول کی بناء پر نماز فاسد ہو جائے گی اور اس کا اعادہ کرنا ہوگا۔اور دوسرا قول محققین فقہاء کا ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد نہیں ہوگی اور اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔چنانچہ مشہور حنفی امام علامہ کمال الدین بن الھمام کی تحقیق یہی ہے کہ کھڑے ہونے کے بعد اگر قعدہ کرلے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔مولانا عبدالحی فرنگی محلی عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ میں فرماتے ہیں:

و ھل تفسد صلاتہ ان عاد فی ھذہ الصورۃ؟ المشھور عند اصحابنا ھو الفساد للزوم رفض

الفرض وهو القيام ورجح ابن الهمام عدم الفساد۔ (عمدة الرعاية على شرح الوقاية ،باب سجود السهو ص: ۲۲۱)

علامہ علاء الدین حصکفی درمختار میں فرماتے ہیں:

فلو عاد الى القعود بعد ذلك تفسد صلاته لرفض الفرض لما ليس بفرض وصححه الزيلعي، وقيل لاتفسد لكنه يكون مسيئاً ويسجد لتأخير الواجب، وهو الاشبه كما حققه الكمال وهو الحق ۔ بحر۔ (الدر المختار، باب سجود السهو)

علامہ ابن الھمام نے فتح القدیر میں اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی ہے اور نماز فاسد ہونے کے قول پر بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے ۔ ہاں، یہ ایک غلط کام ہوا لیکن اس سے فساد صلاۃ لازم نہیں آئے گا۔ آخر میں خلاصہ بحث کے طور پر نماز کے فاسد نہ ہونے کے قول کو علامہ ابن ہمام نے راجح قرار دیا ہے ۔فرماتے ہیں:

اما الفساد فلم يظهر وجه استلزامه اياه فيترجح بهذا البحث القول المقابل للتصحيح ۔ (فتح القدير باب سجود السهو جلد: ۱، ص: ۲۲۶)

ان تصریحات کے بعد صورت مسئولہ میں مصلی دوسری رکعت میں قعدہ کے بجائے اگر کھڑا ہو گیا اور پھر بیٹھ گیا تو اگر چہ اس کو اب بیٹھنا نہیں چاہئے تھا لیکن اس سے اس کی نماز فاسد نہیں ہوئی اور اعادہ نماز کی ضرورت نہیں ہے ۔ هذا ما ظهر لی والله تعالى اعلم وعلمه اكمل واتم۔

العاجز عون احمد قادری غفرلہ

(رجسٹرد ارالافتاء خانقاہ مجیبیہ)

آپ کو بیعت طریقت اپنے عم محترم حضرت مولانا شاہ محی الدین قادری علیہ الرحمۃ سے تھی۔ان سے اجازت و خلافت بھی حاصل تھی اور تمام مرویات حدیث کی اجازت بھی ۔آپ بڑے عبادت گزار اور شب بیدار تھے ۔طویل زمانے تک خانقاہ مجیبیہ کی مسجد میں امامت بھی فرمائی ۔تلاوت قرآن کریم اور وظائف و اوراد کے پابند تھے ۔تدریس کے بعد علمی اور فقہی کتابوں کے مطالعہ کا سلسلہ جاری رہتا۔

اللہ تعالی نے آپ کو حرمین شریفین حاضری کی سعادت متعدد مرتبہ عطا فرمائی اور اس کے فضل و کرم سے حج وعمرہ اور وہاں کے فیوض و برکات سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔آٹھ مرتبہ حرمین شریفین حاضری ہوئی، پانچ مرتبہ حج کے ارادے سے اور تین مرتبہ عمرہ کے لئے ۔ پہلی مرتبہ ۱۳۶۸ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں آپ کا سفر حج ہوا۔اس سفر میں کعبہ شریف میں داخل ہونے کی بھی سعادت ملی ۔ایام حج سے پہلے اور حج سے فراغت کے بعد یعنی دو مرتبہ مدینہ منورہ حاضری ہوئی اور بارگاہ نبوی میں صلاۃ

وسلام پیش کرنے اور فیوض حاصل کرنے کا موقع ملا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ اور مولانا مسعود عالم ندوی بھی اس سال سفر حج میں تھے۔ ان سے بھی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ آخری مرتبہ عمرے کے ارادے سے آپ کا سفر ہوا۔ اپنے چھوٹے صاحبزادے مولانا مشہود احمد کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں پہلے مدینہ منورہ حاضر ہو کر صلاۃ وسلام پیش کیا پھر وہاں سے مکہ مکرمہ حاضر ہو کر عمرہ ادا کیا۔

علمی و دینی واصلاحی خدمات سے آراستہ ایک طویل عمر گزارنے کے بعد ۸/ ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۶/ اپریل ۱۹۹۸ء سوموار کو بعد نماز مغرب یہ آفتاب علم وعرفان غروب ہوگیا۔ ۹/ ذی الحجہ کو خانقاہ مجیبیہ میں ظہر کی نماز کے بعد کثیر مجمع میں آپ کی نماز جنازہ پڑھی گئی اور خانقاہ کے قبرستان باغ مجیبی میں تدفین عمل میں آئی۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

قارئین کرام سے مخلصانہ اپیل

کاغذ اور طباعت کی شدید گرانی کے پیش نظر ''المجیب'' کی قیمت میں اضافہ کر دیا گیا ہے، اُمید ہے کہ مجلہ کی اہمیت و افادیت اور قدر و قیمت کو مدنظر رکھتے ہوئے قارئین کرام اس اضافہ کو بطور احسن قبول فرمائیں گے، لہٰذا! ''المجیب'' کا خریدار بننے یا خریداری نمبر کی تجدید کرانے کے لیے جنوری ۲۰۲۰ء سے فی شمارہ -/50 روپے، سالانہ -/200 روپے، بذریعہ سادہ ڈاک -/250 روپے اور رجسٹری ڈاک -/400 روپے ادا کریں، نیز رسالہ حاصل ہونے کے بعد اپنی مدت خریداری لفاف پر ضرور دیکھ لیں، اگر مدت ختم ہوگئی ہے اور آپ کا زر تعاون باقی ہے تو براہ کرم بقایا رقم جوڑ کر بذریعہ منی آرڈر بھیج دیں یا دارالاشاعت کے اکاؤنٹ میں جمع کر دیں۔

A/c No. : 1271488319, A/c Name : **DARUL ESHA'AT**
Central Bank of India, Branch: Anisabad, Patna-800002 (Bihar)
Cel No. +91-9006306098, 7250433562

پہلی قسط

مرا چون گذر بر عراق اوفتاد
(سفرنامۂ عراق)

● پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید ـــ ڈائریکٹر، مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

سفرنامہ کی روایت بہت ہی قدیم رہی ہے اور دنیا کی تقریباً ہر زبان میں اس کی روایت ملتی ہے۔ سفرنامے دلچسپ معلومات کا ایک بہترین ذریعہ ہوتے ہیں اور ہر دور میں علمی و ادبی حلقے میں اس صنف ادب کو ممتاز مقام حاصل رہا ہے، مجلس ادارت کے رکن اور مرکز تحقیقات فارسی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ڈائریکٹر برادر طریقت جناب پروفیسر سید محمد اسد علی خورشید صاحب نے جولائی ۲۰۱۹ء میں عم مکرم حضرت مولانا الحاج سید شاہ بلال احمد قادری مدظلہ العالی کی رفاقت میں ملک عراق کے متعدد شہروں مثلاً بغداد، کربلا، حلہ، نجف، کوفہ، سامراء اور کاظمین وغیرہ کا سفر کیا اور وہاں کی بہت سی زیارت گاہوں اور متبرک قابل دید مقامات کی بازدید کی، میں ان تمام افراد کو مبارک باد پیش کرتا ہوں جو اس قافلۂ جنوں میں شامل رہے ہیں۔

برادر موصوف نے اس دلکش و بابرکت سفر کی روئداد ہماری درخواست پر تحریر فرمائی ہے، ان کے ترشحات قلم سہ ماہی مجلہ المجیب کے قارئین گرامی کی علمی وطبعی ضیافت کی غرض سے مجلہ المجیب میں قسط وار شائع کئے جارہے ہیں۔ امید ہے کہ قارئین اس سے محظوظ ہوں گے:

باز بہ سرمہ تاب دہ، چشم کرشمہ زائے را ❁ ذوق جنوں دو چند کن، شوق غزل سرائے را ـــ (اقبالؔ)

ـــ (محمد آیت اللہ قادری)

داستان سفر چھیڑنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کشور سفر کردہ کا کچھ تاریخی پس منظر قارئین کی دلچسپی کے لیے سپرد قلم کر دیا جائے تاکہ اس خطہ کے متعلق ایک اجمالی خاکہ قارئین کرام کے پیش نظر ہو۔

سرزمین عراق کی تاریخ کافی قدیم ہے۔ دجلہ و فرات کے درمیان واقع اسی سرزمین عراق کے دوآبہ میں دنیا کی

قدیم ترین تہذیب ’’تہذیب میسوپوٹامیا‘‘ ظہور پذیر ہوئی جس کی تاریخ بعض روایتوں کے اعتبار سے ۳۵۰۰ ق م تک جاتی ہے اور جس کی وسعت مشرقی شام، شمال مشرقی ترکی، مصر اور تقریباً سارے خطہ عراق کے علاقوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے تھی۔ قدیم ترین تہذیب کا یہ علاقہ فرہنگ وتمدن کا ایسا مرکز تھا جس کے اثرات مشرق وسطیٰ یہاں تک کہ سندھ کی تہذیب پر بھی نمایاں اور نمودار تھے۔ دنیا میں ’’میسوپوٹامیا‘‘ (Mesopotamia) یعنی بین النہرین کے نام سے معروف خطہ عراق کی تاریخ انسانی تہذیب کے اولین دور تک پہنچتی ہے کیونکہ دریائے دجلہ وفرات کے درمیان واقع اس خطے میں ہی دنیا کی اولین شہری اور پڑھی لکھی تہذیبوں میں سے ایک ظہور پذیر ہوئی۔ ۳۵۰۰ ق م میں اس علاقے میں سومیریائی قوم جنھیں قدیم بابلی بھی کہتے ہیں، آباد ہوئی جس نے خط میخی (Cuneiform writing) میں خاکی کتبات پر لکھنے کی ابتدا کی اور ایک وفاقی سلطنت قائم کی جو ار، اروک، لگاش اور کش پر مشتمل تھی اور بعد میں عکادیوں (Akkadian) کے سربراہ سارگون (Saragon) کی سربراہی میں تقریباً ۲۳۵۰ ق م میں ایک مکمل نظام سلطنت کی صورت اختیار کر لی۔ عکادیوں کے انحطاط کے بعد بابلیوں اور آشوریوں (Assyrian) کی سرکردگی میں دو نئے مراکز سلطنت وجود میں آئے۔ تقریباً ساتویں صدی قبل مسیح میں آشوریوں نے قدیم مشرق وسطیٰ کے بڑے علاقے پر محیط ایک عظیم سلطنت قائم کر لی جو ۶۰۹ ق م تک قائم رہی۔ پھر کلدانیوں (Chaldeans) کے زیر حمایت بابل کا ظہور تو ہوا لیکن ۵۵۰ ق م تک پورا کا پورا میسوپوٹامیا پہلویوں کے زیر اقتدار آ گیا اور جب سکندر اعظم نے ۳۳۰ ق م میں ایران کو زیر نگیں کیا تو یہ علاقہ بھی اس کی سلطنت محروسہ میں شامل ہوگیا۔ سکندر اعظم کی موت ۳۲۳ ق م کے بعد یہ علاقہ ۱۴۱ ق م تک سلوکیوں (Selucids) کے زیر اقتدار رہا جس کے بعد یہ خطہ میسوپوٹامیا پارتھیوں اور رومیوں کے درمیان اور اس کے بعد ساسانیوں اور بازنطینیوں کے درمیان نقطہ جدال ونزاع بنا رہا یہاں تک کہ ساتویں صدی عیسوی میں حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اسلام کے زیر نگیں آ گیا اور آٹھویں صدی عیسوی میں عباسیوں کی خلافت کا مرکز ومستقر قرار پایا جسے ۱۲۵۸ء میں منگولوں نے تہہ و بالا کر دیا۔ پھر سولہویں صدی عیسوی میں عراق عثمانیوں کے زیر اقتدار آیا۔ ۱۸۹۹ء میں جب عثمانیوں نے جرمنوں کو عراق میں ریل لائنوں کے سلسلہ میں مراعات دیں تو انگریز متنبہ ہو گئے اور پہلی جنگ عظیم کے وقت عراق انگریزوں کے زیر اقتدار آ گیا جن کی سرپرستی میں اس خطے میں ۱۹۲۱ء میں ایک شاہی نظام وجود میں آیا۔ پھر ۱۹۲۵ء میں عراق کا آئین لکھا گیا اور ۱۹۳۲ء میں عراق مکمل طور پر انگریزوں کے اقتدار سے آزاد ہوگیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران عراق کے جرمنی کے ساتھ اتحاد نے دوسری مرتبہ برطانوی استعمار کی راہ ہموار کی اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک عراق دوسری مرتبہ برطانیہ کے زیر اقتدار رہا۔ پھر ۱۹۵۸ء میں ایک انقلاب نے عراق سے نظام شاہی کا خاتمہ کر دیا اور ۱۹۶۸ء تک ملک میں فوجی نظام حکومت قائم رہا جب سوشلسٹ بعث پارٹی نے زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ۱۹۷۰ء سے صدام حسین نے اپنی حکومت مستحکم کر لی۔ صدام حسین کے آمرانہ دور حکومت میں عراق کی صنعتی وحرفتی ترقی کے

سمت نمایاں کام ہوئے۔ ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک عراق ایران کے ساتھ مصروف پیکار رہا پھر ۱۹۹۰ء میں کویت پر حملہ آور ہوا جس کے نتیجے میں امریکی افواج کی سرکردگی میں پہلی گلف وار چھڑی اور ۲۰۰۳ء میں دوسری گلف وار شروع ہوئی اور امریکہ کی سرکردگی میں اتحادی افواج کی اس طویل المدت جنگ کے نتیجے میں بالآخر صدام حسین کو اقتدار سے بے دخل ہونا پڑا اور عراق امریکیوں کے زیر اقتدار آ گیا۔ ۲۰۰۵ء میں عراق میں پارلیمانی انتخاب ہوا اور اب عراق میں جمہوری نظام حکومت قائم ہے۔ ۳۵۰۰ ق م سے لے کر اب تک کی تاریخ عراق کے اس اجمالی ذکر کے بعد آئیے اب داستان سفر شروع کرتے ہیں۔

دنیا کی قدم ترین تہذیب کا محور اور اسلامی سیاست و فرمانروائی کا عظیم ترین مرکز رہ چکے اس عراق کی سیاحت کی سعادت کا موقع کچھ اس طرح نصیب ہوا کہ وسط اپریل ۲۰۱۹ء میں ایک دن مرشد گرامی حضرت مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ نے فون پر فرمایا کہ بغداد شریف اور نجف و کربلا کے سفر کا ارادہ ہو رہا ہے، تم بھی چلو۔ میں نے اخراجات وغیرہ دریافت کیے اور دو ایک روز میں دوبارہ فون کرنے کی بات کہی۔ پھر میں نے سوچا کہ تعطیل موسم گرما بھی ہے اور ان مقامات مقدسہ کی زیارت کی تمنا بھی۔ پتہ نہیں پھر زندگی میں موقع ملے نہ ملے اور اس پر طرہ یہ کہ حضرت مرشد گرامی مدظلہ العالی کی ہمرکابی ومعیت بھی حاصل رہے گی۔ چنانچہ میں نے بھی عزم مصمم کر لیا کیوں کہ پہلے پروگرام کے مطابق ۲۳ر جون ۲۰۱۹ء سے ۳ر جولائی ۲۰۱۹ء تک یہ سفر ہونا تھا اور میں جون ۲۰۱۹ء کے نصف اول میں اپنی بعض اہم گھریلو ذمہ داریوں سے فارغ بھی ہو جا رہا تھا۔ چنانچہ فون کر کے حضرت مدظلہ کو اپنے عزم پر مطلع کر دیا۔ اسی گفتگو میں یہ معلوم ہوا کہ بھبنیشو راڑیسہ کے ایک صاحب جن کا نام سید عطا محی الدین ہے اور جو عطائی ٹورس کے بینر تلے زائرین عراق کے اس سفر کا پروگرام چلاتے ہیں، ان کے ہی ذریعہ سفر کا یہ پروگرام متعین ہو رہا ہے۔ اس سفر میں حضرت مرشد گرامی مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ اور راقم کے علاوہ منتسبین و وابستگان خانقاہ مجیبیہ کے دیگر سات افراد جناب غلام نظام الدین رحمانی قادری، جناب محمد کلیم پھلواری پنٹس سپلائی بھبنیشو راور بائسی ضلع پورنیہ کے مولوی عبد المنعم، اذکار الحق، محمد شفیق اور محمد دلشاد کے علاوہ چھپرہ کے جناب عبد الغفار بھی ساتھ تھے۔ ہم سب لوگوں نے سفر خرچ کی پہلی قسط عطا محی الدین صاحب کو ارسال کر دی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد پتہ چلا کہ اب سفر ۲۳ر جون کو نہیں بلکہ ۹ر جولائی کو ہوگا اس لیے آپ تمامی حضرات اسی کے مدنظر ممبئی پہنچنے کے لیے ۷ر جولائی کا اپنا ٹکٹ کرا لیں۔ قافلے کے لوگوں میں صرف مجھے اور کلیم صاحب کو اپنے طور پر پہنچنا تھا بقیہ لوگوں کو حضرت مدظلہ کی ہمرکابی میں پٹنہ سے روانہ ہونا تھا۔ چنانچہ میں نے ۷ر جولائی کو ممبئی جانے اور ۲۰ر جولائی کو واپس دہلی آنے کا فلائٹ کا ٹکٹ لے لیا۔ وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ جون آن پہنچا لیکن نہ ویزے کا پتہ نہ ٹکٹ کا اور اس پر ستم یہ ہوا کہ یہ خبر ملی کہ عطا محی الدین صاحب دبئی چلے گئے ہیں اور سفر کا یہ کام اب طارق حسین نامی ایک نہایت غیر ذمہ دار شخص انجام دے رہے ہیں۔ طارق حسین سے جب فون پر بہ مشکل رابطہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ اب فلائٹ ۹ر جولائی کو نہیں ہو پائے گی بلکہ اب ۱۳ر جولائی کو ہوگی اس لیے آپ لوگ ۷ر جولائی کو

نہ آئیں، جب کہا جائے تب آئیں۔ مجبوراً مجھے اپنا ایئر ٹکٹ کینسل کرانا پڑا اور رقم ٹکٹ کا نقصان برداشت کرنا پڑا۔ حضرت مرشدی مدظلہ پٹنہ سے روانہ ہونے والے اپنے رفقائے سفر کے ساتھ ۷ر جولائی کو ممبئی کے لیے روانہ ہو گئے اور مجھ سے فرمایا گیا کہ آپ بھی ۱۰ر جولائی کو ممبئی آ جائیے چنانچہ میں نے ۹ر جولائی کا راجدھانی ایکسپریس میں ٹکٹ لیا اور ۱۰ر کو ممبئی پہنچ گیا اور اپنے ہم زلف شبیہ ایاز کے یہاں جوگیشوری میں ٹھہرا۔ گھن گھور برسات میں عزیزم شبیہ ایاز مجھے ریسیو کرنے اندھیری اسٹیشن آئے تھے۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے اور ان کی اہلیہ نے دوران قیام پر تکلف ضیافتیں کیں۔ حضرت مخدومی و مرشدی مدظلہ ۸ر جولائی کو ہی اپنے رفقاء کے ساتھ ممبئی پہنچ چکے تھے اور میرا روڈ پر اپنی صاحبزادی کے یہاں قیام پذیر تھے۔ ان کے ساتھ ہی محترم نظامی چچا بھی ٹھہرے تھے جب کہ قافلے کے دوسرے لوگ اپنے احباب کے یہاں سانتا کروز میں قیام پذیر تھے۔ ۱۱ر جولائی کو بھوبنیشور سے جناب محمد کلیم ممبئی آ گئے اور انھوں نے طارق حسین صاحب سے ملاقات کر کے سفر کے پروگرام کے بارے میں تفتیش شروع کی۔ اب وہاں ایک نئی اطلاع یہ ملی کہ اس ٹور کا سارا کام جیلانی ٹریولس کے بشیر شیر خاں کے ذریعہ ہو رہا ہے اور وہ ساتھ جائیں گے بھی۔ بہر حال کلیم صاحب بھی تگ و دو کرتے رہے اور کلکتہ کے برادر طریقت جناب ساجد محبی بھی بذریعہ فون اور ممبئی میں مقیم اپنے احباب کے ذریعہ بشیر شیر خاں سے رابطہ بنائے ہوئے تھے۔ ۱۱ر جولائی کی شب میں جا کر یہ متیقن ہوا کہ ۱۳ر جولائی کو ڈیڑھ بجے شب میں عراقی ایئر ویز کے طیارے AI442 سے ہم لوگوں کو نجف کے لیے روانہ ہونا ہے اور سبھی لوگ ۱۲ر جولائی کو گیارہ بجے شب تک ممبئی کے چھترپتی شیواجی انٹرنیشنل ایئر پورٹ پہنچ جائیں۔ عدم اعتمادی ہم لوگوں کے دلوں میں ایسا گھر کر چکی تھی کہ ہم لوگ مقررہ وقت سے پہلے ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ بہر حال شیر خاں بھی وقت پر ایئر پورٹ آ گئے اور دھیرے دھیرے گروہ زائرین کے ہمارے وفد کے نو افراد کے علاوہ چھ افراد بھی ایئر پورٹ پہنچ گئے۔ اس طرح زائران عراق کے اس گروپ کے سولہ افراد جب جمع ہو گئے تو ہم لوگ ایئر پورٹ کے اندر داخل ہوئے اور تمام ضروری کاروائیوں کے مراحل سے گزر کر بورڈنگ کے لیے متعینہ گیٹ نمبر 70A پر جا بیٹھے۔ پرواز میں ابھی تاخیر تھی چنانچہ انتظار کرنا پڑا اور تقریباً ایک گھنٹے کی تاخیر سے جہاز نے ٹیک آف کیا، لیکن ہم لوگ نجف اشرف کے انٹرنیشنل ایئر پورٹ پر ۱۳ر جولائی ۲۰۱۹ء کو وقت سے پہنچ گئے۔ قافلے کے کچھ ذمہ داران ضروری کاروائیوں میں مشغول ہوئے اور ہم لوگ ادائیگی نماز کے لیے ایئر پورٹ پر مختص علاقہ ''مصلیٰ'' میں فجر کی نماز ادا کرنے میں مشغول ہوئے۔ ادائیگی نماز سے فارغ ہونے کے بعد ایمیگریشن کے مرحلے سے گزر کر ہم لوگوں نے اپنے اثاثے جمع کیے اور اس امید میں باہر نکلے کہ وہاں بس موجود ہوگی کیوں کہ پروگرام کے مطابق ہم لوگوں کو نجف ایئر پورٹ سے سیدھے بغداد شریف جانا تھا جس کا فاصلہ تقریباً ۱۸۰ کلو میٹر تھا۔ لیکن وہاں بس نہ تھی اور بس کے انتظام میں تقریباً دو گھنٹے تک ہم لوگ ایئر پورٹ کے بیرونی حصہ میں پڑے رہے۔ پھر تین ساڑھے تین گھنٹے کا سفر کر کے کم و بیش ساڑھے گیارہ بجے ہم لوگ بغداد کے فندق اطلس (Hotel Atlas) پہنچے اور ایک ڈیڑھ گھنٹے منتظر رہنے کے

بعد کمرہ ملا۔اپنے کمرے میں پہنچ کر ہم لوگ فریش ہوئے اور کھانے کے بعد عصر تک آرام کیا گیا۔شام کے حصے میں ہم لوگ حضرت سیدنا غوث الثقلین غوث اعظم محبوب سبحانی سیدنا شیخ ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے اور نماز مغرب وعشاء آستانہ عالیہ کی مسجد میں ہی ادا کی۔

بغداد ممالک عرب کے قرون وسطی کے بزرگ ترین تاریخی اور فرہنگی شہروں میں سے ایک ہے۔اللباب میں ذکر ہوا ہے کہ بغداد کو اس نام سے اس لیے موسوم کرتے ہیں کہ کسریٰ کے پاس ایک بت پرست غلام جو دیار مشرق کا رہنے والا تھا تحفتاً آیا۔کسریٰ نے یہ علاقہ اسے اقطاع کے طور پر مرحمت کر دیا۔اس غلام کا ایک بغ نام کا بت تھا کہ دیار مشرق میں جس کی پرستش کی جاتی تھی جب اسے یہ علاقہ بطور اقطاع تفویض ہوا تو اس نے اسے بغ داد کا نام دیا یعنی بت بغ کا عطا کردہ۔اسی لیے فقہا اس نام میں کراہت دیکھتے ہیں اور اسی وجہ سے منصور عباسی نے اسے مدینۃ السلام نام دیا۔ابن المبارک کا قول ہے کہ بغداذ بادال معجمہ نہ کہا جائے کیوں کہ ''بغ'' شیطان کا نام ہے اور ''داذ'' فارسی میں عطا کردہ کے معنی میں ہے بلکہ بغداد کہا جائے۔بعض محققین کا خیال ہے ''بغ'' فارسی میں بوستان یعنی باغ کے معنی میں ہے اور ''داذ'' کسریٰ کے اس غلام کا نام ہے یعنی بستان داد یا باغ داد۔بغداد کی تاریخ کا آغاز عباسیوں کے دور سے ہوتا ہے جس نے ان کے پایۂ تخت کی حیثیت سے بہت عروج وارتفاع حاصل کیا۔عباسیوں سے قبل ساسانیوں کے عہد حکومت میں پائے تخت تیسفون تھا جو موجودہ بغداد کے نواح میں واقع ہے۔ بعض محققین کے مطابق بغداد کی تاسیس دریائے دجلہ کے مغربی کنارے پر خلیفہ منصور عباسی کے عہد حکومت میں ۳۰ر جولائی ۸۶۲ھ کو عمل میں آئی۔امویوں کے زوال اور عباسیوں کے ظہور کے بعد اسلامی خلافت کا پایۂ تخت شام سے عراق کے بغداد میں منتقل ہوگیا اور بغداد کو سارے عالم میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔۱۲۵۸ء میں ہلاکو خان کے ہاتھوں بغداد کو سقوط سے دوچار ہونا پڑا۔سعدی شیرازی نے زوال بغداد کا بڑا اثر انگیز اور دلسوز مرثیہ لکھا ہے جو اس طرح شروع ہوتا ہے کہ:

آسمان را حق بود گر خون بگرید بر زمین ❁ بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین
ای محمد گر قیامت می برآری سر ز خاک ❁ سر برآور وین قیامت در میان خلق بین
نازنینان حرم را خون خلق بی دریغ ❁ ز آستان بگذشت وما را خون چشم از آستین.....
.....دجلہ خونابست ازین پس گر نهد سر در نشیب ❁ خاک نخلستان بطحا را کند در خون عجین
روی دریا درهم آمد زین حدیث هولناک ❁ میتوان دانست بر رویش ز موج افتاده چین.....

بہر حال عصر تک آرام کے بعد ہم لوگ بعد نماز عصر حضرت سیدنا غوث الثقلین غوث اعظم محبوب سبحانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضری کے لیے روانہ ہوئے اور نماز مغرب سے قبل پہنچ کر مواجہ اقدس میں بہ سکون و اطمینان حاضر ہوئے۔

حضرت سیدنا قطب الاقطاب غوث اعظم محبوب سبحانی سید شیخ ابو محمد محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ :

حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے کوائف واحوال بہت مشہور ومعروف ہیں اور اس موضوع پر صاحبان علم وفضل وکمال نے دفتر کے دفتر لکھے ہیں، لیکن تیمناً وتبرکاً حضرت اقدس رضی اللہ عنہ کے شمۂ احوال سے کچھ عرض کرنا یہاں نامناسب نہیں ہوگا۔ حضرت اقدس سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت یکم رمضان المبارک ۴۷۰ھ یا ۴۷۱ھ کو گیلان میں ہوئی۔ آپ کے والد ماجد حضرت ابو صالح موسی اور والدۂ ماجدہ ام الخیر امۃ الجبار فاطمہ زہد واتقا میں مشہور زمانہ تھے۔ والد ماجد کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب گیارہ واسطوں سے حضرت سیدنا امام حسن علیہ السلام اور والدۂ ماجدہ کی طرف سے تیرہ واسطوں سے حضرت سیدنا امام ہمام امام حسین علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ چنانچہ مرقد مبارک والے حجرۂ شریفہ کے دروازے پر دائیں جانب سیاہ حجری قاب میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا شجرۂ نسبی آویزاں ہے۔ ذیل میں بعینہ اس کی نقل قارئین کرام کے لیے پیش ہے:

نسبه الشريف من جهة الأب	نسبه الشريف من جهة الأم

هو سيدنا شيخ الاسلام و سلطان الاولياء الباز الاشهب القنديل النورانى والهيكل الصمدانى جامع الاسرار و المعانى الغوث الاعظم سيدى ابو محمد محى الدين السيد الشيخ عبدالقادر الجيلانى قدس سره

هو الامام السيد ابوصالح موسىٰ	هى ام الخير امة الجبار السيدة فاطمه
ابن الامام السيد عبدالله الجيلى	ابنة السيد عبدالله الصومعى الزاهد
ابن الامام السيد يحيىٰ الزاهد	ابن الامام السيد ابى جمال الدين محمد
ابن الامام السيد محمد	ابن الامام السيد محمود
ابن الامام السيد داؤد	ابن الامام السيد ابى العطاء عبدالله
ابن الامام السيد موسىٰ	ابن الامام السيد كمال الدين عيسىٰ
ابن الامام السيد عبدالله	ابن الامام السيد ابى علاء الدين محمد الجواد
ابن الامام السيد موسىٰ الجون	ابن الامام السيد على الرضا
ابن الامام السيد عبدالله المحض	ابن الامام السيد موسىٰ الكاظم
ابن الامام السيد الحسن المثنى	ابن الامام السيد جعفر الصادق
ابن الامام سيد شباب اهل الجنة	ابن الامام السيد محمد الباقر
السيد الحسن السبط	ابن الامام السيد على زين العابدين
	ابن الامام سيد شباب اهل الجنة الحسين السبط

اولاد

الامام امیر المومنین وامام الواصلین سیدنا و مولانا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجھہ و رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ ۴۸۸ھ میں اکتساب وتحصیل علم کے ارادے سے بغداد تشریف لائے اور وہاں کے علمائے اعلام اور مشائخ کرام کی صحبت سے فیض اٹھایا اور تمام علوم مروجہ میں مہارت بہم پہنچائی اور تمام علوم شریعت و طریقت میں فائق ہوئے۔ پھر آپ نے مسند درس اور منبر وعظ آراستہ فرمایا اور جوق در جوق طالبان علوم شریعت وطریقت آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مستفیض ہوتے تھے۔ آپ کے وعظ کی مجلسوں کا حال بھی بہت معروف ومشہور ہے چنانچہ جن وانس کی کثیر جماعت وعظ کی مجلسوں میں حاضر ہو کر قلوب کو مجلا ومصفا کرتی۔ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے اکیانوے سال کی عمر شریف پائی اور ۵۶۱ھ میں وصال فرمایا۔

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حجرۂ مبارکہ کے اندرونی داخلی دروازے کے داہنے طرف تو قاب میں شجرۂ نسبی مرقوم ہے ہی، مذکورہ بالا قاب کے علاوہ دروازے کے اوپر تین طرف کی دیواروں پر حجری کتبہ بھی نصب ہے جس میں اوپر کی سطر میں نیلے رنگ کے پس منظر کے ساتھ بادامی تحریر میں بھی حضرت اقدس کا شجرۂ نسبی کندہ کیا ہوا اور اس کے نیچے کی سطر میں سلطنت عثمانیہ کے معروف فرماں روا سلطان عبدالحمید کے ذریعہ حجرۂ شریفہ کی تعمیر کرائے جانے کا ذکر بھی کندہ ہے۔ داخلی دروازے کی بائیں جانب سیاہ حجری قاب میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا شجرہ طریقت بھی آویزاں ہے جس کی ذیل میں عیناً نقل قارئین کی دلچسپی کا سبب ہوگی:

سلسلة الطريقة القادرية

بسم الله الرحمن الرحيم

الله جل جلاله

الى

امين الوحى سيدنا جبريل عليه السلام

الى

سيد الخلق اشرف الانبياء والمرسلين سيدنا محمد صلى الله عليه وآله وصحبه وسلم

الى

الامام امير المومنين و امام الواصلين سيدنا على بن ابى طالب كرم الله وجهه الكريم

الى

الامام سيد شباب اهل الجنة سيدنا الحسين السبط رضى الله عنه — سيدنا الحسن البصرى

الیٰ الامام سیدنا علی زین العابدین
الیٰ الامام سیدنا محمد الباقر
الیٰ الامام سیدنا جعفر الصادق
الیٰ الامام سیدنا موسیٰ الکاظم
الیٰ الامام سیدنا علی الرضا

الیٰ سیدنا حبیب العجمی
الیٰ سیدنا داؤد الطائی

الیٰ

سیدنا معروف الکرخی
الیٰ سیدنا السری السقطی
الیٰ سیدنا ابی القاسم الجنید البغدادی
الیٰ سیدنا ابی بکر الشبلی
الیٰ سیدنا عبدالواحد التمیمی
الیٰ سیدنا ابو الفرج الطرطوسی
الیٰ سیدنا ابی الحسن الھکاری
الیٰ سیدنا ابی سعید المبارك المخزومی
الیٰ
سیدنا شیخ الطریقة ومعدن الشریعة والحقیقة حضرة الغوث الاعظم السید الشیخ
عبدالقادر الجیلانی قدس سرہ العزیز

جب کہ ضریح مطہرہ حجرے کے داخلی دروازے کے وسط میں بالائی چوکھٹ کے اوپر زریں حروف میں قصیدۂ غوثیہ کا یہ شعر کندہ کیا ہوا ہے:

وعبدالقادر المشهور اسمی
وجدّی صاحب العین الکمال

حجرۂ ضریح مبارک سے قبل والے ہال جس میں نسب شریف اور سلسلۂ طریقت والے کتبات نصب ہیں، اس کے بیرونی دروازے پر ذرا بلندی پر سنگ مرمر پر زیارت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا سلام بھی کندہ کیا ہوا آویزاں ہے جس کی عبارت کچھ اس طرح ہے:

"بسم الله والصلوة والسلام علی رسول الله۔ السلام علیك یا امام المکان۔ السلام علیك یا سلطان الاولیاء۔ السلام علیك یا غوث الثقلین۔ السلام علیك یا ولی الله۔ السلام علیك یا من خدم العلم فی سبیل الله۔ السلام علیك یا سیدی الشیخ عبدالقادر الجیلانی۔ السلام علیك و

علی من جاورکم من اھل المقابر ۔ یا صاحب الکرامۃ جئناک زائرین و علی بابک و اقفین اودعنا عندک شھادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ وسلم ۔ الفاتحۃ ۔"

تصوف وطریقت میں مرشد کی کتنی ضرورت وافادیت واہمیت ہوتی ہے اس کا اندازہ اس سفر میں قدم بقدم ہوتا رہا کیوں کہ حضرت سیدی ومرشدی مولانا الحاج سید شاہ ہلال احمد قادری مدظلہ العالی کی ہمراہی وہمرکابی جو حاصل تھی ۔حضرت مرشدی مدظلہ نے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے یہاں حاضری پر خانوادۂ مجیبیہ کا مخصوص سلام عنایت فرمایا تھا جسے مواجہہ محبوب سبحانی میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی گئی ۔

خادم ضریح حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ، شیخ عبدالرحمن بہت مخلص اور خلیق ہیں ۔اردو بولنے پر بھی انہیں مہارت حاصل ہے لہٰذا ہمارے جیسے بے بضاعت کے لیے بڑی آسانی ہوگئی ۔ان سے اجازت لے کر ہم لوگ مواجہہ پاک میں کچھ دیر تک بیٹھے رہے اور عرض ومعروض کا سلسلہ رہا ۔مغرب سے کچھ قبل خادم ضریح نے نماز مغرب کا حوالہ دے کر حجرۂ غیاث المستغثین رضی اللہ عنہ خالی کرایا ۔ہم لوگ وہاں سے نکل کر متصل مسجد آستانۂ عالیہ میں آ گئے ۔آستانۂ عالیہ کا ایک معمول یہ نظر آیا کہ مغرب سے کچھ قبل ایک قاری مائک پر تلاوت کلام اللہ شریف کی قرأت کرتے ہیں ۔کچھ دیر کے بعد پھر دوسرے قاری صاحب اس سلسلہ کو جاری رکھتے ہیں یہاں تک کہ مغرب کی اذان کا وقت ہوجاتا ہے اور قرأت موقوف کر کے مغرب کی اذان دی جاتی ہے ۔قرأت کے لیے ایک بہت بڑی تقطیع کا مصحف شریف ایک اسٹینڈ نما ٹیبل پر پہلی صف میں ایک دم بائیں جانب رکھا ہوا ہے اور ایک کرسی قاری کے لیے متعین ہے وہیں بیٹھ کر اسی مصحف شریف سے بآواز بلند قرأت کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ۔جب ہم لوگ مسجد میں پہنچے تو سورہ یٰسین کی قرأت ہو رہی تھی ۔اذان سے چند منٹ قبل مسجد کے نائب امام اپنے سیکورٹی گارڈ کے ساتھ آئے اور پہلی صف میں کھڑے ہو گئے ۔چند ثانیے کے بعد اصل امام جو بغداد کے کسی ادارے میں شیخ الفضیلۃ ہیں، ان کی آمد ہوئی ۔اذان ختم ہونے کے بعد نائب امام اور دوسرے مصلیوں نے دو رکعتیں ادا کیں اور امام مصلی پر بڑھ گئے اور نماز شروع ہوئی ۔نماز میں دوسرے مقتدی حضرات رفع یدین تو کر رہے تھے لیکن امام کو ایسا کرتے نہیں دیکھا گیا ۔نماز کے بعد میں نے نائب امام اور امام سے ملاقات کی ۔عربی میں اپنا تعارف کرایا اور حضرت سیدنا عبدالرزاق رضی اللہ عنہ کے واسطے سے حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے نسب میں اپنے ہونے کا ذکر کیا ۔نائب امام جن کا نام یاد نہیں رہا خلوص سے ملے ۔پھر مغرب کی نماز کے بعد مسجد میں حلقۂ ذکر شروع ہوا اور ایک بزرگ کرسی پر بیٹھ کر طالبین کو ذکر جلی کراتے رہے ۔ہم لوگ وہاں سے نکل کر پھر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے مواجہہ پاک میں آ حاضر ہوئے اور عشاء تک رہے ۔

حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حلقۂ خانقاہ میں روضۂ مبارک کے قریب صحن میں حضرت غوث اعظمؓ کے دو صاحبزادگان عالی نژاد حضرت سیدنا شیخ عبدالجبار اور حضرت سیدنا شیخ صالح قدس سرہما کے مزارات دو الگ الگ لیکن متصل

حجروں میں زیارت گاہ عام ہیں اور حضرت غوث اعظمؓ کے زائرین وہاں بھی حاضر ہوتے ہیں ۔ ہم لوگوں نے وہاں حاضری دی اور نماز عشاء سے فارغ ہو کر ہم لوگ ہوٹل کے لیے واپس ہو گئے کیوں کہ عشاء کے بعد آستانہ مبارک بند ہو جاتا ہے اور ہوٹل میں ہم لوگوں کو پہلے ہی یہ تاکید کر دی گئی تھی کہ حالات حاضرہ اور امنیت وسلامتی کے فقدان کے سبب رات میں ۹ بجے کے بعد ہوٹل سے باہر نہ نکلیں ۔ بلکہ دیکھنے میں بھی آیا کہ مغرب کے بعد عموماً سارے بازار بند ہو جاتے ہیں ۔ بہر حال ہم لوگ ہوٹل واپس آئے اور کھانے کے بعد اپنے کمروں میں آرام کے لیے چلے گئے ۔ گویا بغداد شریف پہنچنے والے دن یعنی ۱۳ر جولائی کو ہم لوگ صرف آستانہ غوث پاک کی زیارت کو حاضر ہوئے اور بغداد کے چار روزہ قیام میں تقریباً روزانہ بارگاہ غوث اعظم میں حاضری ہوتی رہی ۔

حضرت سیدنا شیخ عبدالجبار قدس سرہ :

حضرت سیدنا شیخ عبدالجبار قدس سرہٗ حضرت سیدنا غوث اعظمؓ کے فرزند ارجمند ہیں ۔ بغداد میں متولد ہوئے اور حضرت سیدنا غوث اعظمؓ کے زیر نگرانی ان کی تعلیم وتربیت ہوئی ۔ حضرت شیخ عبدالجبار اعلیٰ درجے کے خوشخط اور خوشنویس تھے اور اتباع رسول میں بے مثال تھے ۔ مجاہدات و ریاضات شاقہ میں بھی لاثانی تھے ۔ تاریخ ولادت کا پتہ نہیں چلتا البتہ عالم جوانی میں ۵۷۵ھ میں وصال فرمایا اور حضرت غوث اعظمؓ کے احاطہ خانقاہ میں مدفون ہوئے ۔

حضرت سیدنا شیخ صالح قدس سرہ :

حضرت سیدنا شیخ صالح قدس سرہ کے حالات سے متعلق کچھ علم نہ ہو سکا ۔

—(جاری)

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

توجہ طلب

سہ ماہی مجلہ ''المجیب'' میں شائع ہونے والے مضامین میں حسب ضرورت تلخیص اور الفاظ وتراکیب کی تصحیح کرنی پڑتی ہے ۔

اہل قلم حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ اِسے گوارہ فرمائیں ۔ بصورت دیگر ہماری معذرت قبول فرمائیں —(ادارہ)

نظام تبنی ـــ ایک جائزہ

● مولانا سید ولی حسن قادری ندوی ـــ بمنڈیہ، اورنگ آباد

دورِ جاہلیت کے چند اچھے کاموں میں سے ایک تبنی (کسی کو اپنا بیٹا بنانا) کا نظام بھی تھا، تاریخی روایتیں بتاتی ہیں کہ اس کو شروع کرنے والے قریش کے وہ شرفاء تھے جن کو اپنے سماج میں موجود غلاموں کے ساتھ ناروا سلوک اور ظلم وزیادتی سخت ناپسند تھی، بیٹا بنانے کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا قرار دے دیتے، اس طرح ان غلاموں کو بھی ایک عزت کا مقام مل جاتا، تلاش کے باوجود یہ نہیں مل پایا کہ کسی نے باندی کو بیٹی بنایا ہو، شاید اس کی وجہ یہی ہے کہ جب اس معاشرے میں اپنی بیٹی ہی ناقابل قبول تھی، تو کسی اور کی بیٹی کو اپنی بیٹی کیسے بنالیتے، شریف لوگ اپنی ہی بیٹی کو قبول کرلیتے ہوں گے، یہی ان کی بہت بڑی اچھائی سمجھی جاتی ہوگی، واللہ اعلم۔ جب بیٹا بنانے کا اعلان کردیتے تو پھر اس کے ساتھ بالکل حقیقی بیٹے جیسا سلوک کرتے، ولدیت میں اپنا نام دیتے، میراث دیتے، نکاح کے معاملے میں بھی اس کے ساتھ وہی سلوک روا ہوتا جو اپنے بیٹے کے ساتھ شریف اور اونچے خاندان میں شادی ممکن تھی، پھر جس طرح حقیقی بیٹے کی عزت پر آنچ آنے سے ان کی رگِ حمیت پھڑک اٹھتی تھی، اسی طرح لے پالک کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کرتا تو جنگ وجدال تک کے لیے تیار ہوجاتے، ظہورِ نبوت کے وقت کا سب سے مشہور قصہ حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ (رضی اللہ عنہ) کا ہے، ان کی بیوی کے غلام تھے، سالم (رضی اللہ عنہ) جنہیں حضرت ابوحذیفہ (رضی اللہ عنہ) کی بیوی نے آزاد کردیا تھا، حضرت ابوحذیفہ (رضی اللہ عنہ) نے ان کی تبنی کا قریش کے مجمع میں اعلان کیا تھا، ان کا باپ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سردار تو تھا لیکن تھا اسلام کا سخت دشمن، باوجود یکہ اسلام کے خلاف اتنی سخت دشمنی تھی جب حضرت ابوحذیفہ (رضی اللہ عنہ)) نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو اپنا بیٹا بنالیا تو سرداران قریش سے اس بات پر لڑ گیا کہ اب سالم میرا پوتا ہے، اس لیے اب اگر کوئی اس کے خلاف نازیبا الفاظ نکالے گا تو گویا اس نے میری بے عزتی کی، حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت سالم رضی اللہ عنہ کا نکاح اپنی سگی بھتیجی سے کروایا تھا، دوسرا واقعہ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ہے جو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، ان کو بھی حضور ﷺ کے لے پالک کا

درجہ حاصل تھا، یہاں تک کہ زید بن محمد کہلاتے، ان کی شادی آپ ﷺ نے اپنی پھوپھی کی بیٹی سے کروائی تھی، ازدواجی زندگی میں دونوں نباہ نہیں ہوسکا، جس کی ایک بڑی وجہ رتبہ اور مزاج کا اختلاف تھا، حضرت زید (رضی اللہ عنہ) جب بھی اپنی اس پریشانی کا ذکر آپ ﷺ سے فرماتے، آپ ﷺ صبر کرنے کا اور نباہ کرنے کا مشورہ دیتے، سورۂ احزاب میں یہ ساری باتیں مذکور ہیں، اسی آیت میں یہ بھی ہے کہ ''آپ دل میں وہ چھپائے ہوئے تھے جو اللہ (اب) ظاہر فرمارہا ہے، اور آپ کو لوگوں کے طعنوں کا اندیشہ تھا...'' طعنوں کا اندیشہ یہ تھا کہ آپ ﷺ کو پہلے ہی بذریعہ وحی حکم آگیا تھا کہ طلاق کا حکم دیں اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا عدت گزارنے کے بعد آپ ان سے اپنا نکاح فرمالیں گے، مگر آپ ﷺ کو یہ خدشہ تھا کہ کمزور دل اور منافق یہ کہیں گے کہ اپنی بہو سے شادی کرنے کے لیے نعوذ باللہ غلط بیانی کررہا ہے کہ وحی آئی۔ اس لیے قرآن کی آیتیں نازل نہیں ہوئی تھیں، جب آپ ﷺ حضرت زید رضی اللہ عنہ کو صبر اور شادی کے معاملے میں اللہ کے لحاظ کا حکم دیتے تو یہی بات چھپائے رہتے کہ کل کو اللہ کے حکم سے ان کو طلاق دینی ہی ہوگی، حضرت زینب سے آپ ﷺ کا نکاح ہوگا، قصہ مختصر اس سورہ کی آیت میں صاف صاف حکم آگیا کہ منہ سے بولے ہوئے بیٹے کو اللہ نے بیٹا نہیں بنایا، ساتھ میں یہ حکم بھی آیا کہ ان کو ان کے حقیقی والد کی نسبت کے ساتھ پکارو اور اگر ان کے والدوں کو نہیں جانتے تو وہ تمہارے دین میں بھائی ہیں اور تمہارے موالی (غلام) ہیں۔ ثابت یہ ہوا کہ اب کسی کو متبنی (بیٹا یا بیٹی بنانا) اس طرح نہیں کیا جاسکتا جس طرح جاہلیت میں کیا جاتا تھا، نہ ہی اس کو اپنے نسب میں شریک کیا جائے گا۔ (اس لیے کہ نسب بول دینے سے نہیں ہوجاتا، اس کے لیے اللہ کے بنائے ہوئے نظام پر عمل کرنا پڑتا ہے) اور نہ ہی میراث دی جائے گی، (میراث کا قانون بھی دین فطرت میں اللہ کی طرف سے بنادیا گیا ہے جس میں کوئی ردوبدل کی گنجائش نہیں ہے اور یہ سب بڑی حکمتوں پر مبنی ہے، جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں) یہاں پر یہ واضح کرتا چلوں کہ متبنی کے حرام قرار دینے کی تین بڑی حکمتیں، بہت واضح قسم سے علما کو سمجھ میں آئی ہیں:

(۱) میراث میں حق :

چوں کہ اسلامی قانون عین فطرت کے مطابق ہے، اس لیے اچھائی کے نام پر کسی کے لیے بھی کھلواڑ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا ہے، پتہ چلا کہ آپ کی اچھائی کے چکر میں میراث کے اصلی حقداروں کا یا تو حصہ کم ہوجارہا ہے، جیسے حقیقی بیٹا بیٹی کا، یا آپ کسی کو محجوب کردے رہے ہیں، جیسے آپ کے یا آپ کی بیوی کے بھائی بہن۔

(۲) نسب کی حفاظت :

بہت سی صلاحیتیں اور عادتیں موروثی ہوتی ہیں، ظاہر سی بات ہے کہ یہ صلاحیتیں آپ منہ بولے بیٹا یا بیٹی میں نہیں لاسکتے، وہ وہی صلاحیتیں لے کر آئیں گے جو ان کو وراثت میں ملی ہیں۔

(۳) نامناسب اختلاط سے دوری :

نسب کی طرح شخصیت پر ماحول کا بھی اثر ہوتا ہے، مان لیا کہ کسی کو بچپنے میں آپ نے گود لے لیا تو یہ مشکل نہیں آئے گی لیکن قانون عام ہوتا ہے، اگر ایسے بچے کو آپ نے منہ بولا بیٹا بنایا (جاہلیت کے دور والے معنی میں) جو کسی ماحول میں سات آٹھ سال یا اس سے زیادہ گذار چکا ہے تو آپ کے گھر میں بھی اپنی وہی عادتیں پھیلا سکتا ہے، جو کہیں اور سے لے کر آیا ہے، مان لیا کہ اگر اچھی ہوگی تو اچھی پھیلائے گا، لیکن برابر فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ نقصان سے بچنے کو ترجیح دی جاتی ہے، اور آگے بھی دیکھئے اس کی ہر برائی آپ اور آپ کے خاندان سے منسوب ہوگی، جو لڑائی جھگڑے اور آپسی انتشار کا سبب بنے گی۔

یہ بات تو ختم ہوگئی کہ محرم کیوں نہیں بنایا، اس لیے کہ جب دین فطرت میں متبنی کرنے کا جاہلی نظام اپنی حکمتوں کی بنا پر غلط ہے تو جب اصل ہی غلط ہے تو فرع بدرجہ اولیٰ غلط ہوگی۔

اب آجاتے ہیں ان مسائل پر کہ کئی بار کسی کو اپنے بیٹے یا بیٹی کی طرح رکھنا ناگزیر ہو جاتا ہے اور دین فطرت نہ صرف یہ سمجھتا اور اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ کئی معاملے میں بے شمار ثواب اور بھلائی بتا کر اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے، جیسے یتیموں کی نگہبانی اور پرورش، غریب و نادار بچوں کو حسن سلوک کے طور پر اپنے گھروں میں رکھنا۔ اب اس عمل کو کوئی بیٹا بنانا کہے، لے پالک کا نام دے، متبنی کرنا، کہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے، اگر کسی کو یہ لگتا ہے کہ صرف ان الفاظ کے بولنے سے وہی ہو جائے گا جو جاہلی دور میں رائج تھا اور اسلام میں حرام ہے تو وہ یہ الفاظ نہ بولے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ان کی پرورش و پرداخت کے وقت محرم و نامحرم کے مسائل آسکتے ہیں، دین فطرت نے اس بات کی اجازت بھی دی ہے اور راستہ بھی دکھایا ہے کہ جب اس طرح کی ضرورت پڑے تو ان معاملوں کو کیسے حل کیا جائے، ایک تو رضاعت کے ذریعہ یہ مسئلہ حل ہوسکتا ہے، یہ کہنا صحیح ہے کہ عموماً بھائی بہن کے بیٹے بیٹی کو ہی گود لیا جاتا ہے، وہ پہلے ہی محرم ہوتے ہیں، مگر جو محرم نہیں ہے اور رضاعت کی عمر سے آگے نکل گیا ہے تو؟ اب یا تو جس ماحول میں رہ رہا ہے، وہاں کے رسم و رواج کو اپنا لے، جس کی گنجائش دین حنیف میں موجود ہے یا جیسے دوسرے قریبی نامحرموں سے بلوغ کے بعد پردہ کیا، یا کروایا جاتا ہے، اس سے بھی پردہ کروا دے، میراث کا مسئلہ حل کرنے کے لیے پہلے یہ طے کرلے کہ اس کی پرورش و پرداخت تک ہی معاملہ رکھنا چاہتا ہے یا اپنی میراث بھی دینا چاہتا ہے، اگر دینا چاہتا ہے تو جتنا دینا چاہتا ہے اس کی شروع میں ہی وصیت کر کے سب کو بتایا جائے، تاکہ کسی قسم کے مسائل نہ ہوں اور کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

ویسے پرورش و پرداخت کے وقت محرم و نامحرم کے مسائل کے بارے میں اس حقیر وفقیر کی رائے تھوڑی الگ ہے، میرا کہنا ہے کہ کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی بنا کر رکھنے کے لیے محرم ہونا کیوں ضروری ہے؟ پردے کے متعلق مسائل کی وجہ سے نا؟ کیا دین فطرت مرد و زن کے سلسلے میں ایسا ہی سماج اور ماحول چاہتا ہے کہ دونوں الگ الگ مخلوق نظر آئیں؟ پردے کے نام پر وہ ''واجبات'' کیا واقعی واجبات میں داخل ہیں، جنہیں ہم لوگوں کو واجبات بتایا جاتا ہے؟ میرے مطالعے کے نتیجے میں (اس اعتراف کے ساتھ کہ وہ بہت ہی محدود ہے) وہ احکام مستحبات تو ہو سکتے ہیں، واجبات نہیں۔ اگر ان کو واجبات کہا جائے تو

خیر القرون سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے واقعات و روایات کی بے جا تاویلیں کرنی پڑیں گی اور کرنے والے کرتے ہیں، اسی لیے مجھے احساس ہوتا ہے کہ دین فطرت کے بتائے ہوئے حدود میں رہتے ہوئے نامحرم کو پالنے پوسنے اور اس کو گھر میں آنے جانے کی اجازت دینے میں کوئی مشکل نہیں آئے گی، مجھے یہ بھی لگتا ہے کہ چوں کہ دین حنیف کی نظر میں یہ سب کوئی مسائل یا مشکلات ہی نہیں ہیں، اس لیے ان کے لیے الگ سے کوئی حل بھی نہیں بتایا گیا، جس طرح بہت سے جدید تمدن وثقافت اور سماج و ماحول کو عین فطرت بتانے کے چکر میں دلائل کی بے جا تاویلیں کرلی جاتی ہیں، اسی طرح بہت سی عادات وتقالید جو بہت زیادہ پرانی نہیں ہیں، ان کو اسلام یا دین فطرت کا تقاضہ سمجھ لیا گیا ہے، ان میں سے ایک آج کل کا طرز سکونت (رہن سہن کا اسٹائل) بھی ہے، میرے حساب سے یہ اسلام کی نہیں جدیدیت کی دین ہے۔ مشترکہ خاندان میں رہنے کا یہ نظام جو ابھی تک برصغیر میں رائج ہے، یہ اسلام کے نظریہ سے متصادم نہیں ہے، پردے کا جو مطلب عموماً سمجھا یا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ ہم لوگ اس پر عمل نہیں کرتے، میری اپنی سمجھ اور مطالعے کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے، سعودی عرب میں یہ برابر سنتا تھا (اور یقین بھی کرلیا تھا) کہ ہمارے یہاں کا مشترکہ خاندانی نظام اسلام کے خلاف ہے، اس میں صحیح اسلامی پردے کا رواج نہیں ہے، اللہ کا کرم یہ ہوا کہ ندوے سے لے کر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ تک مجھے ایک سے ایک مختلف الخیال اساتذہ سے کسب فیض کرنے کا موقع ملا، جامعہ میں ایک فقہ کے استاذ تھے، دو سال پڑھنے اور چار سال ملاقات کا موقع ملا، مدینہ منورہ کے اصلی باشندے تھے، ان کا کہنا تھا کہ اسلام کے نام پر نئے طرز کے رہن سہن نے صلہ رحمی اور رشتہ داری کے تقاضے کو اسلامی تعلیمات سے بہت دور کردیا ہے، تفصیل میں جانے کا موقع نہیں، مگر ان کو یہ کڑھن رہتی تھی کہ جس طرح ہم لوگ اپنے چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی اور اسی طرح کے رشتہ داروں اور ان بچوں سے قریب تھے، دکھ درد سمجھتے تھے، لڑائی جھگڑا کرتے تھے، ہمارے بچے اب ان سب سے دور ہو چکے ہیں، نہ رشتہ داری جانتے ہیں اور نہ ہی صلہ رحمی کی اہمیت، کئی پریٹیکل قصے سنا کر اپنے (پرانے) دور اور موجودہ دور کے طرزِ سکونت سے اختلاف کو بیان کرتے کہ مشترکہ خاندانی نظام ہی اسلامی تعلیمات کے زیادہ قریب ہے، جو بظاہر پردے کے معاملے میں متساہل نظر آتا ہے، مگر اندرونی اور بیرونی لباس کو تقریباً یکساں کرکے اس تساہل کو بھی ختم کردیا گیا ہے، یہاں یہ بھی بتا کر اپنی بات ختم کرتا ہوں کہ مجھے جو اللہ تعالیٰ نے بچپنے سے لے کر اب تک مختلف ممالک اسلامیہ (اور اب تو غیر اسلامیہ بھی) کے لوگوں سے بات کرنے، دوستی کرنے اور تبادلہ خیال کرنے کا موقع عنایت کیا، اس میں یہی بات کھل کر سامنے آئی کہ سارے اسلامی ممالک میں میرے اپنے گھر کی طرح کا ہی طرزِ سکونت یا تو آج تک چل رہا ہے، یا کم از کم سلفی دعوت پھیلنے اور اس سے متاثر ہونے سے پہلے تک چل رہا تھا، مزید یہ کہ جہاں یہ موجودہ اسلامی نظام سکونت کافی پہلے شروع ہوگیا تھا جیسے سعودی عربیہ، وہاں اب اس نظام کی مخالفت میں بھی سُر اور سَر دونوں بلند ہونے شروع ہوگئے ہیں۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

اسلام پر مستشرقین کے اعتراضات
اہل کتاب کے ساتھ تعامل نبوی کے تناظر میں

● ڈاکٹر ظفر دارک قاسمی — پوسٹ ڈاکٹریٹ فیلو، شعبہ دینیات (سنی) اے ایم یو، علی گڑھ

مستشرقین کا لغوی واصطلاحی مفہوم :

انگریزی کے الفاظ Orientalist اور Orientalism کا مادہ Orient ہے۔(۱)

البتہ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری کے مطابق Oriental سے مراد مشرقی، بحیرہ روم اور قدیم سلطنت روما کے مشرق میں واقع ممالک اور علاقہ جات اور وہاں کی تہذیب وخصوصیت سے متعلق، جنوب مغربی ایشیا یا مطلق ایشیائی ممالک ہیں مگر ان کا تعلق مسیحی یوروپ کے مشرق سے ہو۔(۲)

Orientalist کا مطلب ماہرین لسانیات نے لیا ہے کہ وہ شخص جو مشرقی زبانوں اور ادب سے واقفیت رکھتا ہو گویا مشرقی علوم کا ماہر ہو۔(۳) اس طرح Orintalism کا معنی مشرقی خصوصیات، مشرقی رسوم ورواجات، مشرقی ثقافت وتہذیب، مشرقی زبانوں اور مشرقی اقوام سے متعلق علم ومہارت بتایا گیا ہے۔(۴) عربی زبان میں اس کا مادہ ش رق ہے۔ اس طور پر Orientalist کے لئے المستشرق اور Orientalism کے لئے الاستشراق کے الفاظ مستعمل ہیں۔ صاحب منجد کے مطابق مشرقی زبانوں اور علوم وآداب سے واقف کار کو المستشرق کہا جاتا ہے۔(۵)

اسی طرح الرائد میں الاستشراق کے معنی درج ذیل بتائے گئے ہیں: علم الاجانب بحیاۃ الشرق وعلومه وآدابه ولغاته وحضاراته ومدنیاته (۶) اردو لغات میں المستشرق کو مستشرق اور الاستشراق کو استشراق یا مشرقیت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس وجہ سے مستشرق کی تعریف مشرقی تاریخ، تہذیب، زبان یا مغربی علوم کا ماہر کی گئی ہے۔(۷) صاحب جامع اللغات کے نزدیک مستشرق کہا جاتا ہے جو ''ماہر شرقیات۔ وہ فرنگی جو مشرقی زبانوں اور علوم کا ماہر ہو''۔(۸)

لغوی توضیح وتشریح کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کا اصطلاحی مفہوم بھی پیش کر دیا جائے، ابراہیم عبد المجید اللبان نے اپنی کتاب المستشرقون والاسلام میں اس کا اصطلاحی مفہوم اس طرح پیش کیا ہے:

المستشرقون اسم واسع یشمل طوائف متعددہ تعمل فی میادین الدراسات الشرقیہ المختلفہ فھم یدرسون العلوم،والآداب،الخاصہ بالھند والفرس والصین والیابان والعالم العربی وغیرھم من اسم الشرق۔(۹)

ڈاکٹر شرف الدین کے نزدیک عرفی طور پر اس لفظ سے مراد لیا جاتا ہے۔ وہ غیر مسلم علما جو مشرقی زبانوں اور علوم وآداب میں دلچسپی رکھتے ہوں لیکن مشرق کی غیر مسلم زبانوں، غیر اسلامی علوم وفنون اور اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کے مغربی عالم کو مستشرق نہیں کیا جاتا۔ اس لحاظ سے مستشرق مغرب کے ان غیر مسلم خاص کر یہودی اور عیسائی علما کو کہا جائے گا جو اسلام، اسلامی علوم، اسلامی زبانوں اور اسلامی تہذیب وثقافت کے مطالعہ کا خصوصی شوق رکھتے ہوں۔(۱۰)

مذکورہ تعریفات کے علاوہ ایک اور تعریف کی گئی ہے جو انتہائی مناسب معلوم ہوتی ہے :

''مغربی اہل کتاب عیسائی مغرب کی مسلم مشرق پر نسلی اور ثقافتی برتری کے خود ساختہ تصور کی بنا پر مسلمانوں پر اہل مغرب کا تسلط قائم کرنے کی غرض سے مسلمانوں کو اسلام کے بارے میں گمراہی اور شک میں مبتلا کرنے اور اسلام کی مسخ شدہ تصویر پیش کرنے کی خاطر مسلمانوں کے عقیدہ، کلچر، شریعت، تاریخ، نظام اور وسائل وامکانات کا جو مطالعہ معروضی تحقیق کے دعوے کے ساتھ کرتے ہیں۔ اسے استشراق کہا جاتا ہے''۔(۱۱)

تحریک استشراق کی تاریخ :

یہ صداقت ہے کہ مغرب میں اسلام کے خلاف مسلسل پروپیگنڈہ ہوتا رہتا ہے مذکورہ تعریف میں بھی ان جارحانہ عزائم کو بروئے کار لانے کی کاوش کی گئی ہے۔ اب ذرا یہ بھی ملاحظہ کرتے چلیں کہ ارباب فکر ودانش کا خیال یہ ہے کہ Orientalist کا لفظ پہلی مرتبہ ۱۶۳۰ء مشرقی یا یونانی کلیسا کے ایک پادری کے لئے استعمال ہوا۔(۱۲) یورپی زبانوں میں Orientalism کا لفظ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں رائج ہوا۔

تحریک استشراق کے آغاز کے متعلق کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی ہے کیونکہ ماہرین واسکالرس کی اس سلسلہ میں آراء مختلف ہیں۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ یہ تحریک دسویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی۔ اس خیال کا حامی طبقہ فرانسیسی راہب جریردی اورالیاک (۱۰۰۳۔۹۳۸) کا نام لیتے ہیں۔ جس نے حصول علم کے لئے اندلس کا رخ کیا اور اشبیلیہ اور قرطبہ کی جامعات سے تعلیم حاصل کر کے عربی زبان وادب کے عالم کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔ ''نجیب العقیقی'' کی تحقیق کے مطابق یہ شخص ۹۹۹ء سے ۱۰۰۳ء تک سلفستر ثانی کے لقب سے پاپائے روم کے منصب پر بھی فائز رہا۔(۱۳)

دوسرا خیال یہ ہے کہ تحریک استشراق کا آغاز وارتقاء تیرہویں صدی عیسوی سے ہوا۔(۱۴)اورایک رائے یہ بھی ہے کلیسا کی کانفرنس میں یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں عربی زبان کی تدریس کے لئے باقاعدہ (Chair) قائم کرنے سے ہوئی۔(۱۵)

مذکورہ آراء کے تناظر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تحریک استشراق نے باقاعدہ شہرت بعد میں پائی البتہ اس کے لئے ابتدائی جدوجہد آٹھویں صدی عیسوی میں شروع ہوگئی تھی۔

محمد دیاب احمد نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے کہ یوحنا دمشقی (۶۷۶۔۷۴۹) کی مساعی کو تحریک استشراق کی ابتداء کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔اس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف نفرت کی غرض سے تحریری مناظرات شروع کئے۔ اور باقاعدہ اس نے اسلام کی دشمنی میں دو کتابیں تحریر کیں جن کو اور کے نام سے اہل علم جانتے ہیں۔(۱۶)

پروفیسر حبیب الحق ندوی تحریر کرتے ہیں کہ جان آف دمشق نے ایک منصوبہ بند سازش کے تحت اسلام کے خلاف تحریک چلائی۔اس نے اسلام کو وثنی مذہب قرار دیا اور خانۂ کعبہ کو بت سے تعبیر کیا۔یہاں تک کہ اس نے محمد ﷺ کی ذات اور حیات طیبہ پر حملہ کیا۔نبوت کا انکار کرکے آپ ﷺ کو دیومالائی قصوں کا ہیرو بنادیا۔داستان سازی کے اس صنعت خانے میں آنحضور ﷺ کے متعلق نوع بنوع کے افسانے گھڑے گئے۔یہی کہانیاں لاطینی اور بیزنطینی تاریخ اور بعد میں چرچ کی اسلامی تاریخ کا حصہ اور مستشرقین کی اسکالرشپ کا مصدر اصلی بن گئیں۔جان اور اس کے ہمنواؤں نے حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) بے دین اور نبی کاذب اور اسلام کو ایک فاسد دین قرار دیا۔اس نے آپؐ پر ایک پادری کی معیت میں بائبل کو مسخ کرکے اسلام نام کا ایک مذہب ایجاد کرنے کا الزام عائد کیا۔جان وہ پہلا مسیحی شخص تھا جس نے آنحضرت ﷺ کی مقدس شخصیت پر جنسی اتہامات کا طومار کھڑا کیا جو بعد میں مغربی اسکالرز کی تحقیق وریسرچ کا موضوع بن گیا۔اس نے زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے واقعہ کو ایک افسانہ بنادیا۔یہی افسانے یورپ میں کلاسیکی موضوعات بن گئے اور آج تک مستشرقین کے محبوب عناوین ہیں۔ساتھ ہی ساتھ اس نے اپنی کتاب De Haeresibus کے آخری باب میں تعدد ازواج، طلاق اور اس طرح کے دیگر مسائل اٹھائے ہیں۔(۱۷)

اس کے بعد جان کے ہمنواؤں نے اسلام دشمن لٹریچر کا انبار لگادیا۔یہی لٹریچر مغربی اسکالرز کے لئے ازمنہ وسطیٰ سے بیسویں صدی تک مصادر کا کام دیتا رہا۔اسی اسلام دشمن ادب میں ایک مشہور رسالہ جو یورپ میں ازمنہ وسطیٰ کی اسکالرشپ کو غذا فراہم کرتا رہا۔عبدالمسیح بن اسحاق الکندی کی طرف منسوب ہے۔ولیم میور نے اس رسالہ کی تلخیص وترجمہ "The Apology of Alkindi" کے نام سے ۱۸۸۷ء میں لندن سے شائع کیا۔یہ رسالہ مستشرقین کی خصوصی توجہ کا مرکز رہا۔اس کے مرکزی عناوین ہیں۔محمد ﷺ کی نبوت کا انکار۔قرآن کا مذاق، سیرت محمدی کو جنس اور جنگ میں ملوث کرنا اور اس طرح کی

دیگر خرافات شامل ہیں۔اس رسالہ کا اثر مستشرقین پر اتنا گہرا رہا کہ انیسویں صدی کی اسکالرشپ سائنسی اور معروضی جرح وتعدیل کے تمام تر دعووں کے باوجود اس رسالہ کی گرفت سے آزاد نہ ہوسکی۔(۱۸)

نیز آٹھویں صدی کے آخر اور نویں صدی کے شروع میں عروج اسلام پر ایک کتاب تھیوسوفین نامی مستشرق نے ایک کتاب کرانکل کے نام تحریر کی۔اس میں صاحب کتاب نے اسلام کو یہودی یا عیسائی الاصل ثابت کرنے کی غرض سے آنحضور ﷺ کو تعلیم یافتہ ثابت کرنے کی کاوش کی۔اس کے بعد نویں صدی میں شاہ بیسل (۸۶۷۔۸۸۶) کی خواہش کے مطابق ایک کتاب بیزنطینی مصنف نے Refutatio Mohammad لکھی۔اس کے ذریعہ (العیاذ باللہ) محمدؐ کاذب اور قرآن کو خرافاتی داستانوں کا مجموعہ قرار دیا۔مستشرقین کا اسپین سے اٹھنے والا گروہ انہی مصادر کا پروردہ تھا۔قرطبہ کے پوپ (STEulogius) نے اپنی تالیف Liber Apologetecus Marlirum کی بنیاد لاطینی سودات پر رکھی اور محمدؐ کے خلاف شدید نفرت کا مظاہرہ کیا اس طرح ایک دوسرے اندلسی اسکالر سان پیروڈو پاسکل (San Perodo Pascal) نے اپنی تالیف جو کہ کندی کے رسالہ کا چربہ ہے میں اسلام کے خلاف شدید نفرت کا اظہار کیا۔یوں نفرت وحسد کی آگ کی چنگاری بڑھتی چلی گئی۔ Vincint de Beauvais (م ۱۲۶۴ء) نے تمام داستانوں کو اپنی تالیف Specculan Historicale میں جمع کر دیا اور نہایت دریدہ دہنی سے کام لیتے ہوئے آپ کو Pagam اور Lowborm ثابت کرنے کی کوشش کی۔(۱۹)

یہاں یہ بتانا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ دیر کلونی اور پطرس جو فرانسیسی راہب تھا۔اس کے علمی توسع کی بناء پر ۱۱۲۳ء میں دیر کلونی کا رئیس بنا دیا گیا تھا۔دیر کلونی کی بنیاد ۹۱۰ء میں فرانس میں رکھی گئی اور اسپین سے علم حاصل کرنے والے کچھ راہبوں نے بارہویں صدی عیسوی میں دیر کو عربی ثقافت کی نشر واشاعت کا مرکز بنا دیا تھا۔(۲۰)

اس کے بعد پطرس نے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔اور اس کے ارکان کو ترجمہ کے کام پر مامور کیا۔اس کی نگرانی میں کئی عربی کتب کے تراجم لاطینی زبان میں ہوئے۔ ۱۱۴۳ میں ''رابرٹ آف تنتر'' نے قرآن کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا جس پر مقدمہ پطرس نے لکھا۔اس نے اپنے ناپاک عزائم کا اظہار درج ذیل الفاظ میں کیا ہے :

> ''اگرچہ میری ان کوششوں سے مسلمانوں کو دین عیسوی میں داخل کرنا ممکن نظر نہیں آتا لیکن ایک عالم کا کم از کم یہ فرض تو بنتا ہے کہ وہ اپنے ان ہم مذہب بھائیوں کی مدد کے لئے کچھ نہ کچھ کرے، جو کمزور ہیں اور انہیں تھوڑی سی کوشش سے اپنے دین سے بد دین کیا جاسکتا ہے''۔(۲۱)

معلوم یہ ہوا کہ پطرس اور اس کے ہمنوا انتہائی متعصب اور کینہ پرور تھے۔پطرس نے تو اپنی اسلام دشمنی کو مخفی نہیں رکھا بلکہ اس نے اعتراف کیا کہ میں نے تراجم کا کام اسلام کی مخالفت میں کیا اور اس کا مقصد عیسائیوں کو دلائل فراہم کرنا ہیں۔ پطرس کی نگرانی میں جو قرآن کا ترجمہ ہوا اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ ''بلدشیر'' جس نے بیسویں صدی میں

قرآن کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا۔اس کے اندر عربی عبارت سے مناسبت نہ رکھتے ہوئے ۔لاطینی عبارت کے ذریعہ ترجمہ کیا مگر افسوس یہ ہے کہ یہ ترجمہ جوں کا توں عیسائیت میں مقبول رہا۔ ۱۵۴۳ء میں اسے شائع کیا گیا بعد میں یورپی زبانوں میں تراجم کے لئے اس ترجمہ کو مصادر کی حیثیت حاصل ہوگئی ۔(۲۲)

ڈاکٹر محمد عبدالمتعال جبری نے اپنی کتاب "الاستشراق،وجه للاستعمار الفكري" میں تحریر کیا ہے کہ راجر بیکن اور بمنڈلل دونوں عیسائی عالم عیسائیت کی توسیع کے لئے مسلمانوں کو عیسائی بنانا ضروری سمجھتے تھے۔ان کا نظریہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کی اپنی زبان اور ان کے مروجہ علوم کے ذریعہ بحث کر کے عیسائیت کی دعوت دی جائے۔ان دونوں کا خواب ۱۳۱۲ء میں فینا کی کلیسائی کونسل نے شرمندۂ تعبیر کر دیا۔جو اس بات پر متفق ہوگئی کہ پوپ کی جامعات کے علاوہ پیپرس، آکسفورڈ، بولونیا اور سلمنکا کی جامعات میں بھی عربی زبان کی تدریس کا انتظام کیا جائے ۔(۲۳)

مولانا شبلی نعمانیؒ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت ومغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں ۔وہ ایک ایک کر کے بہ استثنائے چند اٹھارہویں صدی کے اواخر سے انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں ۔اور ان میں سے اکثر کا یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوگیا۔مولانا نے ان کتابوں کی تفصیل بیان کی ہے جو یورپ سے شائع ہوئیں ۔(۲۴)

اس طرح مستشرقین یورپ کی رسائی اصل عربی مصادر تک ہوگئی اور اسلام اور پیغمبر اسلام پر نئی کتابوں کا ظہور ہونے لگا۔گویا اہل مغرب نے اسلام کی حقیقی تصویر کو مسخ کرنے کی جسارت کی تا کہ لوگوں کو گمراہ کیا جاسکے اور اسلام کی توسیع نہ ہو سکے۔ اسی طرح انہوں نے مسلمانوں کے مظالم کی بے بنیاد قصے کہانیاں سنا سنا کر اسلام مخالف بنایا اور اسلام کے خاتمہ کے لئے ان کو متحرک کیا جارہا ہے۔

اہل کتاب کی شرارتیں :

مستشرقین کے اعتراضات اور مدینہ میں اہل کتاب (یہود) کے ساتھ تعامل نبوی کو ذکر کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ گفتگو یہودیوں کے متعلق کر دی جائے ۔چنانچہ اصحاب سیر ومغازی نے لکھا ہے کہ بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا ان کو نظر آیا کہ اسلام اب طاقت ور بنتا جارہا ہے۔انہوں نے شرارتیں شروع کیں اور قریش سے اتحاد کی سازباز کی چنانچہ علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرت النبیؐ'' میں تحریر کیا ہے کہ قریش نے بدر سے پہلے عبداللہ بن ابی کو لکھا تھا کہ مسلمانوں کو نکال دو ورنہ ہم آکر تمہارا استیصال کریں گے،لیکن جب اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو بدر کے بعد انہوں نے یہودیوں کو خط لکھا جس کے الفاظ شبلی نے سنن ابی داؤد کے حوالہ سے اس طرح نقل کئے ہیں :

''تم لوگوں کے پاس اسلحہ جنگ اور قلعہ جات ہیں ۔تم ہمارے حریف (محمدؐ) سے لڑو ورنہ ہم تمہارے ساتھ یہ کریں گے اور کوئی چیز ہم کو تمہاری عورتوں کے کڑوں تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی''،آگے شبلی نے لکھا ہے کہ اس خط

کے بعد آنحضرت ﷺ راتوں کو گھر سے نکلتے تھے تو یہودیوں کی وجہ سے جان کا خطرہ رہتا تھا حتی کہ حضرت طلحہ بن براء ایک صحابی تھے انہوں نے انتقال کے وقت وصیت کی کہ اگر میں رات کے وقت مروں تو آنحضرت کو خبر نہ کرنا۔اس لئے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپؐ پر حادثہ گزر جائے۔حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ابوداؤد وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے''۔(۲۵)

ان کی شرارت کی ایک اور مثال ملاحظہ کرتے چلئے،کتب احادیث اور سیرت نگاروں نے یہ واقعہ لکھا ہے کہ یہودیوں نے معمول بنالیا تھا کہ آنحضرتؐ سے السام علیک کہتے تھے۔جس کے معنی یہ ہیں کہ (تجھ کو موت آئے) ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھیں۔انہوں نے سنا تو ان کو سخت غصہ آیا اور بے اختیار ہو کر بول اٹھیں کہ''کم بخت! تم کو موت آئے'' آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو۔حضرت عائشہؓ نے کہا آپؐ نے کچھ سنا بھی کہ ان لوگوں نے کیا کہا،آپ نے ارشاد فرمایا کہ''ہاں! لیکن یہ کافی ہے کہ میں نے علیک کہہ دیا۔(۲۶)

یہودی اسلام کے خلاف سازش کرتے ہیں اور اسلام کی تحقیر وتنقیص کو انہوں نے اپنا نصب العین بنالیا ہے۔مستشرقین نے یہود کے ساتھ ہونے والے تعامل نبوی کو بھی اپنی دریدہ دہنی کا شکار بنایا ہے۔چنانچہ ذیل میں ہم اہل کتاب کے ساتھ تعامل نبوی پر مستشرقین نے کیا تنقیدات کی ہیں ان کا جائزہ لیں گے۔

بنوقینقاع اور مستشرقین :

بدر کی فتح سے یہود خائف تھے اور وہ محسوس کر رہے تھے کہ اب اسلام ایک طاقت اختیار کرتا جارہا ہے۔البتہ قبائل یہود میں سب سے طاقتور بنوقینقاع تھے اس لئے انہوں نے سب سے پہلے اعلان جنگ کی جرأت کی۔آنحضرتؐ سے کیا ہوا معاہدہ سب سے پہلے انہوں نے توڑا''بنوقینقاع پہلے یہود تھے۔جنہوں نے اس معاہدہ کو جو ان میں اور آنحضرتؐ میں تھا توڑ ڈالا اور بدر اور احد کے درمیانی زمانہ میں مسلمانوں سے لڑائی کی''۔اسی طرح سیرت نگاروں نے یہ بھی لکھا ہے کہ واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کی اور عہد کو توڑ دیا''۔

اس کے بعد ایک اور واقعہ پیش آیا جس نے اس آگ کو مزید بھڑکا دیا۔ایک انصاری (کی بیوی) مدینہ کے بازار میں ایک یہودی کی دکان میں (نقاب پوش آئیں) یہودیوں نے ان کی بے حرمتی کی۔ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہو گئے اور انہوں نے یہودی کو مار ڈالا۔یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا۔آنحضرتؐ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ خدا سے ڈرو۔ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے۔بولے کہ ہم قریش نہیں ہیں۔ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھادیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے''چونکہ ان کی طرف سے نقض عہد اور اعلان جنگ ہو گیا تھا مجبور ہو کر آنحضرتؐ نے لڑائی کی۔وہ قلعہ بند ہوئے پندرہ دن تک محاصرہ رہا۔بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسولؐ جو فیصلہ

کریں گے ان کو منظور ہوگا۔عبداللہ بن ابی ان کا حلیف تھا۔اس نے آنحضرتؐ سے درخواست کی کہ وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔(۲۷)

بنوقینقاع کی جلاوطنی پر مستشرقین اپنی تنگ نظری کا ثبوت پیش کرتے ہیں چنانچہ مشہور مستشرق ولیم میور اپنی کتاب Life of Mohammad میں لکھتا ہے:

Indeed of such minor importance was the guarred.the some biographers do not mention it at all,but justify the attack by a heavenly message revealing jewish Treachery. (28)

''یقینا ایک معمولی اہمیت کا حامل تنازع جس کا تذکرہ بعض سیرت نگاروں نے کیا بھی نہیں۔اس کو ایسے حملے کا جواز بنایا گیا جس کو آسمانی حکم سمجھا گیا اور جس سے اہل یہود کی خیانت ظاہر کرنا مقصود تھا''۔

حیرت اس بات کی ہے کہ ولیم میور یہود کے فتنہ وفساد کو معمولی واقعہ قرار دیتا ہے۔جبکہ مدینہ میں معاشرہ کو پرامن رکھنے اور باہم ہم آہنگی کے لئے تمام قبائل یہود اور مسلمانوں نے متفقہ طور پر دستخط کئے تھے اس کے کسی بھی طرح کا خلفشار کرنا درست نہ تھا۔رہی یہ بات کہ بعض سیرت نگاروں نے اس واقعہ کا تذکرہ نہیں کیا ہے تو یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔جن اصحاب سیر نے یعنی ابن اسحاق،طبرانی اور ابن سعد وغیرہ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا ہے مگر ولیم میور یہ بھول گئے سیرت نگاروں نے ہجرت کے بعد کا سب سے اہم واقعہ میثاق مدینہ کا ذکر کیا ہے۔اور اس کے ذکر نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ واقعہ اتنا اہم ہو کہ ہر آدمی کی زبان زد ہو اس وجہ سے ذکر کرنا مناسب خیال نہیں کیا ہو۔جیسا کہ برکات احمد نے اپنی کتاب Mohammad and The Jewas of Madina میں لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ واقعات اتنے زیادہ زبان زد عام تھے کہ ان کو ذکر کرنے کی وقعت ہی نہ دی گئی ہو۔(۲۹)

رہا ولیم میور کا یہ کہنا کہ بنوقینقاع پر حملے کا حکم آسمانی سمجھا گیا تھا اور اس سے اہل یہود کی خیانت ظاہر کرنا مقصود تھا۔یہ بات گزر چکی ہے کہ سوق قینقاع میں دنگے کے بعد رسولؐ ان کو سمجھانے گئے تھے۔مگر انہوں نے آپؐ کی بات نہ مانی اور دھمکی آمیز گفتگو کی جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تذکرہ کیا جاچکا ہے اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی :

وَاِنۡ نَّكَثُوۡۤا اَيۡمَانَهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ عَهۡدِهِمۡ وَطَعَنُوۡا فِىۡ دِيۡنِكُمۡ فَقَاتِلُوۡۤا اَئِمَّةَ الۡكُفۡرِ ۙ اِنَّهُمۡ لَاۤ اَيۡمَانَ لَهُمۡ لَعَلَّهُمۡ يَنۡتَهُوۡنَ ﴿۱۲﴾—(سورہ توبہ)

ترجمہ : اور اگر وہ توڑ دیں اپنی قسمیں عہد کرنے کے بعد اور عیب لگادیں تمہارے دین میں تو لڑو کفر کے سرداروں سے بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں تاکہ وہ باز آجائیں۔

اس کے نزول کے بعد رسولؐ نے فرمایا کہ مجھے بنوقینقاع کی خیانت کا خوف ہے،اور یہود بنوقینقاع جنگ کی دھمکی

بھی دے چکے تھے اور دوسری بات یہ کہ یہ قبیلہ میثاق مدینہ میں شامل تھا تو پھر ان کا دنگا فساد کرنا جنگ کی دھمکی دینا یہ سب حرکتیں معاہدہ کی کھلم کھلا خلاف ورزیاں تھیں۔اور عہد کو توڑنے والوں کے ساتھ اسلامی قانون کے مطابق جنگ کرنا درست ہے۔
مارگولیوتھ اپنی کتاب Mohammad and The rise of Islam میں لکھتے ہیں :

The good were treated by the prophet as the spoils of war,He took his fifth,and divided the rest among his followers,the House, and property of seven hundred of the wealthiest of the community doubtless made the moslems comparatively opulent,Ali could nou Prouide the necessary Wedding gift for his bride Fatimah and the ouspicious ceremony was parformed (30)

''ان کے مال کو بطور جنگی مال غنیمت بنالیا گیا۔خمس نکالنے کے بعد بقیہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کیا گیا۔معاشرے کے ساتھ سو مالدار ترین افراد کے گھر اور مال و دولت نے بلاشبہ مسلمان کو خوشحال اور مالدار بنا دیا تھا علی اب اس قابل تھا کہ اپنی دلہن فاطمہ کے لئے شادی کا تحفہ دے سکے اور ولیمہ کی دعوت ادا کی گئی''اس سے ملتی جلتی بات سویڈش مستشرق تورآندرے بھی لکھتا ہے:

''محمدؐ نے مدینہ میں اپنے مخالف یہود سے بدلہ لینے کے لئے اثر ورسوخ استعمال کیا۔صرف ایک مسلمان عورت کے ساتھ ہنسی مذاق ہوا اور جلد ہی قبیلۂ بنوقینقاع کو چاروں طرف سے گھیر کر محاصرہ کیا گیا اور محاصرہ کے بعد ان کو ہتھیار پھینکنے پر مجبور کیا گیا یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا کہ بنوقینقاع کے ترکہ کے مال سے فقراء مہاجرین کی مشکلات کو دور کیا جاسکے''۔(۳۱)

ایک اور متعصب مستشرق اے جے ونسنک بھی خاموش نہیں رہا اور اس نے بھی واقعہ بنوقینقاع کے حوالہ سے اپنے خیالات کا اظہار کیا اس کے نظریہ کو جاننے سے قبل ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن واقعہ بنوقینقاع کے حوالہ سے کیا کہتا ہے:

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنۡ قَوۡمٍ خِيَانَةً فَانۢبِذۡ اِلَيۡهِمۡ عَلٰى سَوَآءٍ‌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الۡخَآئِنِيۡنَ ۝۵۸
— (سورہ انفال)

''اور اگر تجھ کو ڈر ہو کسی قوم سے دغا کا تو پھینک دے ان کا عہد ان کی طرف اسی طرح کہ ہو جاؤ تم اور وہ برابر بیشک اللہ پسند نہیں فرماتا ہے۔دغا بازوں کو''۔

اس آیت کے بارے میں مستشرق اے جے ونسنک لکھتے ہیں:

''یہ ممکن ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی ارادہ و عمل سے پہلے اس قسم کے کلمات کے متمنی رہتے اور بہر صورت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقدامات سے پتہ چلتا ہے کہ اس معاملہ میں یہود کی جانب سے کوئی دھوکہ دہی نہیں کی گئی تھی''۔(۳۲)

اگر مذکورہ اعتراضات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تینوں اعتراضات صرف تعصب پر مبنی ہیں کیونکہ مارگولیوتھ نے جو بات کہی ہے وہ کسی بھی اعتبار درست ثابت نہیں ہوتی ہے۔حضرت علیؓ نے شادی کا ولیمہ کیسے کیا اور رقم کہاں سے کمائی اس سلسلہ میں حدیث کے اندر آتا ہے:

فلما اردت ان ابتنی بفاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ واعدت رجلاً صواغاً من بنی قینقاع ان یرتحل معی فنأتی باذخر اردت ان ابیعہ من الصواغین واستعین بہ فی ولیمۃ عرسی۔ (۳۳)

ترجمہ : جب میرا ارادہ رسولؐ کی صاحبزادی فاطمہؓ کو رخصتی کرا کے لانے کا ہوا تو میں نے بنی قینقاع کے ایک سنار سے طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے اور ہم دونوں مل کر اذخر گھاس جمع کر کے لائیں، کیونکہ میرا ارادہ تھا کہ اسے سناروں کے یہاں فروخت کر کے اپنی شادی کے ولیمہ میں لگا دوں۔

لہٰذا مارگولیوتھ یا اس جیسے دیگر متعصبین کا یہ کہنا کہ بنوقینقاع کے بعد محض غنیمت کے مال سے ہی ولیمہ کی دعوت کرنے کے قابل ہوئے بالکل لغو اور بے بنیاد ہے۔

تو رآندرے کہتے ہیں کہ مدینہ میں یہود سے بدلہ لینے کے لئے اثر ورسوخ کا استعمال کیا گیا، یہ سچ ہے کہ محمدؐ مدینہ کی سب سے بااثر شخصیت تھے، نہ صرف اوس وخزرج کے درمیان بلکہ قبائل یہود نے بھی آپ کی سربراہی اور حیثیت کو تسلیم کرلیا تھا۔میثاق مدینہ میں یہ دفعہ موجود ہے کہ اگر اہل یہود اور اہل اسلام کے مابین کوئی تنازع پیش آجائے تو اس کو حل کرانے کے لئے خدا اور رسولؐ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ظاہر ہے میثاق مدینہ میں جو بھی دفعات رکھی گئیں ان میں یہود کے دستخط موجود تھے۔یعنی آپؐ مدینہ کے حاکم وسربراہ تسلیم کئے گئے۔البتہ تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ نے اپنے اثر ورسوخ کا کبھی بھی بے جا استعمال نہیں کیا۔اس طرح ان کا یہ کہنا کہ ایک عورت کے مذاق کو بنیاد بنا کر یہود پر محاصرہ کا جواز تلاش کیا گیا تصور کیجئے کہ کسی بھی خاتون کے ساتھ سربازار چھیڑ چھاڑ کرنا اور اس کو رسوا بے عزت کرنا مناسب ہے، اس سے اس بات کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہود مدینہ نے میثاق مدینہ کی عہد شکنی کی کیونکہ انہوں نے معاہدہ کے بعد فتنہ برپا کرنے کی سازش کی انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ سب کچھ مہاجرین فقراء کی مالی مشکلات دور کرنے کے لئے کیا گیا۔ان کی یہ بات بھی کسی اعتبار سے قابل اعتبار نہیں ہے۔سیر وتواریخ کی کتابوں میں موجود ہے کہ اہل مکہ کا زیادہ تر پیشہ تجارت تھا۔ہجرت مدینہ کے بعد بھی اکثر صحابہ تجارت کی طرف مائل ہو گئے اور جو صحابہ تجارت کی طرف مائل نہ ہوئے ان کو مواخات کے رشتہ میں باندھ کر بندوبست کر دیا۔اس کے علاوہ سمہودی کے مطابق اوس وخزرج مدینہ میں تین اُطام کے مالک تھے۔(۳۴)

اور اُطام کہا جاتا ہے ان قلعہ نما محلات کو جن میں اقسام وانواع کی چیزیں موجود ہوں ان تمام حقائق سے چشم پوشی نہیں کی جاسکتی ہے جیسا کہ تو رآندرے نے تعصب وعناد کی بنیاد پر یہ اعتراض کیا ہے۔

غزوہ بنونضیر اور مستشرقین :

مستشرقین کے اعتراضات کو جاننے سے قبل واقعہ بنونضیر کی تفصیل گوش گزار کردوں۔حضرت عمرو بن امیہ نے قبیلۂ عامر کے جو دو آدمی قتل کردیئے تھے اور جن کا خون بہا اب تک واجب الاداء تھا اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کی رو سے یہود بنی نضیر پر واجب الاداء تھا اس مطالبہ کے لئے محمدؐ بنونضیر کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے قبول کیا لیکن در پردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چپکے سے بالاخانہ پر چڑھ کر آنحضرتؐ پر پتھر گرادے۔اتفاق سے اس وقت آپؐ بالاخانے کی دیوار کے سائے میں کھڑے تھے۔عمرو بن حجاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا آپؐ کو اس کے ارادہ کا حال معلوم ہوگیا اور آپؐ فوراً مدینہ واپس چلے آئے۔اس وجہ سے ان کا محاصرہ ہوا اور بالآخران کو جلاوطن کیا گیا۔(۳۵)

اس پر بروکلمان مستشرق اپنی کتاب تاریخ الشعب الاسلامیہ میں لکھتا ہے :

''احد میں محمد ﷺ کی فوجی مہارت پر ضرب پڑنے کی وجہ سے جو نقصان ہوا اس کی تلافی کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا ضروری تھا۔چنانچہ انہوں نے یہودیوں کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا اور ایک معمولی سبب کی وجہ سے بنونضیر پر حملہ کردیا''۔(۳۶)

اسرائیل ولنفسون اپنی کتاب تاریخ الیہود فی بلاد العرب میں واقعہ بنونضیر کے متعلق لکھتے ہیں :

''بنونضیر پر رسول (ﷺ) کے قتل کا الزام درست نہیں اس لئے کہ بنونضیر مسلمانوں سے ڈرتے تھے اور دوسرا یہ کہ اگر ان کا ارادہ قتل کا ہوتا تو اوپر سے پتھر نہ پھینکتے بلکہ فوراً قتل کردیتے اس لئے کہ اس وقت رسولؐ تقریباً اکیلے تھے۔اصل بات یہ ہے کہ بنونضیر نے احد میں مسلمانوں کی مدد نہیں کی تھی تو رسولؐ نے ان کو انتقاماً مدینہ سے جلاوطن کردیا''۔(۳۷)

اگر بروکلمان کی رائے کا انصاف سے تجزیہ کیا جائے تو یہ کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ احد میں رسول (ﷺ) نے ایک گھاٹی پر پچاس تیراندازوں کو عبداللہ بن جبیر کی سرکردگی میں مقرر کیا تھا اور یہ بھی تاکید کی تھی کہ جب تک میں نہ کہوں یہاں سے نہیں اترنا۔ہوا یوں کہ صحابۂ کرام کے مسلسل وار سے کفار مکہ دم دبا کر بھاگ گئے۔اس منظر کو دیکھ کر گھاٹی پر تعینات جوانوں نے اترنے کا فیصلہ کیا حالانکہ اس وقت عبداللہ بن جبیر نے منع بھی کیا تھا گھاٹی پر سے اترنا بظاہر رسولؐ کے خلاف عمل تھا۔اس موقعہ کا فائدہ اٹھا کر خالد بن ولید نے پیچھے سے حملہ کیا اور یکا یک جنگ کا نقشہ پلٹ گیا۔لہٰذا بروکلمان کا یہ دعویٰ کہ احد میں ہزیمت کی وجہ سے اسکی تلافی کے لئے بنونضیر پر حملہ کیا ان کی ذہنی اختراع ہے کیونکہ احد میں محمد ﷺ کی فوجی مہارت پر وار قریش مکہ کی جانب سے نہیں پڑی تھی بلکہ صحابہ کرامؓ کی ایک اجتہادی غلطی کی وجہ سے نتائج تبدیل ہوگئے۔ضمناً یہ بھی عرض کردوں کہ بروکلمان کو بنونضیر کے متعلق اعتراض کرنے سے قبل اپنے مطالعہ کی ابتداء واقعۂ بیر معونہ سے کرنی چاہئے تھی۔اسی طرح ان کو یہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ ابوسفیان ان کے یہاں بطور مہمان بن کر اس لئے ٹھہرے کہ مسلمانوں کے راز و

حالات سے باخبر ہو سکے۔شاید وہ اس بات کو بھی بھول گئے کہ قریش مکہ اور بنونضیر کے مابین مسلمانوں کو ختم کرنے کی خط وکتابت ہوئی تھی۔جس کا تذکرہ راقم نے گزشتہ سطور میں کیا ہے :

نیز جس طرح ولنفسون نے بنونضیر کے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے وہ حد درجہ قابل عار ہے۔اگر بنونضیر (یہود مدینہ) مسلمانوں سے خوف زدہ تھے (بقول ولفنسون) تو یہ اس لئے درست نہیں ہے کہ اگر ایسا ہوتا جیسا کہ ان کا دعویٰ تو انفرادی اور اجتماعی طور پر مسلمانوں سے عداوت کا اظہار نہ کرتے اور نہ مسلمانوں کے دشمنوں کا ساتھ دیتے۔کیونکہ کعب بن اشرف کفار مکہ کو اشعار کہہ کر برانگیختہ کرتا تھا۔

دوسری بات یہ کہ جس کو پیغمبر امن کے مصنف حکیم محمود احمد نے بیان کیا ہے کہ یہود بنونضیر رسولؐ کو قتل کرنے کی سازش اس وقت سے کر بیٹھے تھے جب انہیں قریش مکہ کا خط وصول ہوا جس میں ان کو مدینہ سے نکالنے یا ان کے خلاف لڑنے کو کہا گیا تھا۔(۳۸)

اس طرح مناظرہ کے بہانے رسولؐ کو بلایا نیز راستہ میں آپ کو معلوم ہوا کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں کہ جب آپ تشریف لائیں تو آپ کو قتل کر دیں۔(۳۹)

ان تمام شواہد کے تناظر میں یہ پورے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے محمد ﷺ کو قتل کرنے کا ارادہ بہت پہلے سے کر رکھا تھا اور کسی موقع کے انتظار میں تھے۔وہیں ان کو اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ اگر اس وقت ان کو قتل کر دیا جائے تو ان کے ساتھ جو معدودے صحابہؓ ہیں ان کی پشت پر اوس وخزرج کے قبائل موجود ہیں اور اوس وخزرج کی حیثیت یہود پہلے ہی تسلیم کر چکے تھے۔اس بناء پر ان کی کوشش یہ تھی کہ ایسا طریقہ اپنایا جائے جس سے مقصود بھی حاصل ہو اور الزام بھی نہ آئے۔اسی وجہ سے ولفنسون کی یہ بات کہ بنونضیر سے احد میں شمولیت نہ کرنے کا انتقام لیا یہ اعتراض بھی محض ڈھکوسلہ ہے۔

بنوقریظہ اور مستشرقین :

مولانا شبلی نے بنوقریظہ کے قتل کے درج ذیل اسباب بیان کئے ہیں :

(۱) آنحضرتؐ نے مدینہ میں آکر ان کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا جس میں ان کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی اور جان ومال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا۔

(۲) بنوقریظہ رتبہ میں بنونضیر سے کم تھے،یعنی بنونضیر کا کوئی آدمی بنوقریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اسے صرف آدھا خون بہا دینا پڑتا تھا۔

(۳) بخلاف اس کے بنوقریظہ پورا خون بہا ادا کرتے تھے۔محمدؐ نے بنوقریظہ پر یہ احسان کیا کہ ان کا درجہ بنونضیر کے برابر کر دیا۔

(۴) محمدؐ نے بنونضیر کی جلاوطنی کے وقت بنوقریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کیا۔

(۵) باوجود ان باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگ احزاب میں شریک ہوئے۔

(۶) ازواج مطہرات قلعہ میں حفاظت کے لئے بھیج دی گئی تھیں ان پر حملہ کرنا چاہا۔ حیی ابن اخطب (سردار یہود) جو بغاوت کے جرم میں جلاوطن کردیا گیا تھا جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کرکے جنگ احزاب قائم کردی تھی اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتش جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھا۔(۴۰)

ان تمام وجوہات کی بنیاد پر ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔ اس واقعہ پر مشہور مستشرق ولیم میور نے لکھا ہے :

We might seen conced That the coduct of their leaders omoun ted to treason aganist the city and warranted a severe retribution,but the indiscriminate sdaughrer of eight hundred men,and the subjugation of the woman and children of the whole tribe,to slavery,cannot of recognised otherwise them as an act of monstrous cruelty. (41)

ترجمہ : ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے سربراہوں نے ملک کے خلاف غداری کا اقدام کیا جس پر شدید سزا کی ضرورت تھی لیکن آٹھ سو افراد کا اندھا دھند قتل اور قبیلہ کے تمام عورتوں اور بچوں کو مغلوب کرکے غلام بنایا کسی طور تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری صورت میں یہ ایک قبیح اور ظالمانہ اقدام تھا۔

اگر ولیم میور واقعہ بنوقریظہ کا انصاف سے تجزیہ کرتے تو شاید وہ اس طرح کے الفاظ استعمال نہیں کرتے کیونکہ بنوقریظہ کا محاصرہ بحکم خداوندی تھا، معروف سیرت نگار ابن سعد نے اپنی کتاب طبقات میں ایک روایت بیان کی ہے:

"رسولؐ جب غزوہ خندق سے فارغ ہوئے تو گھر تشریف لاکر ہتھیار اتار دیئے، ابھی اطمینان کے ساتھ بیٹھے بھی نہ تھے کہ ناگہاں جبرئیلؑ نے آکر بتایا کہ اے اللہ کے رسولؐ! آپ نے ہتھیار اتار دیا ہے، حالاں کہ ہم فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں اتارے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بنوقریظہ کی طرف چلئے لہٰذا قریظہ کے قلعے کے نزدیک ہمارے پاس آئیں"۔(۴۲)

مذکورہ روایت کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنوقریظہ کو ان سنگین ترین جرم غداری کی سزا دینا اللہ رب العزت کے حکم سے تھا۔ دوسری اہم بات وہ ہے جو محمد حسنین ہیکل نے اپنی کتاب حیات محمد میں لکھی ہے۔

بنوقریظہ عہد شکنی کے بعد قلعوں اور برجوں سے نکل کر شہر میں گشت کیا کرتے تھے اور یوں خوف وہراس پھیلاتے تھے۔ مسلمانوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو حسان بن ثابت کی حویلی میں جمع کر رکھا تھا۔ بنوقریظہ کے یہ سازشی دستے حویلی کے اردگرد جاسوسی کے لئے گھومنے لگے تھے۔(۴۳)

ظاہر ہے ان گشتی گروپوں کا وہی مقصد تھا جو شبلی نے لکھا ہے کہ ان کی عورتوں پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ نیز یہ بھی گوش گزار

کردوں کہ بنو قریظہ کو سزا ان کے مذہب کے مطابق دی تھی۔تمام مؤرخین نے اس بات کا اعتراف کیا ہے۔تورات میں موجود ہے کہ اگر دشمن آپ سے صلح نہ کریں تو ان کا محاصرہ کرو اور جب خدا تجھ کو ان پر قبضہ دلادے تو جس قدر مرد ہوں سب کو قتل کردو۔باقی بچے،عورتیں اور جانور جو موجود ہوں سب تیرے لئے مال غنیمت ہوجائیں گے۔(۴۴) اس لئے ولیم میور کا اعتراض صرف اور صرف تعصب وعناد پر مبنی ہے۔

غزوۂ خیبر اور مستشرقین :

غزوۂ خیبر پر مستشرقین نے جو اعتراضات کئے ہیں ان کو جاننے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے غزوہ خیبر کے متعلق چند باتیں پیش کردی جائیں۔

مؤرخین وسیرت نگاروں کی تحقیق کے مطابق غزوہ خیبر کے درج ذیل اسباب تھے۔

خیبر عرب میں یہودی قوت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔مدینہ سے جب رؤسائے بنو نضیر جلاوطن ہو کر خیبر میں آباد ہوئے تو انہوں نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کردیا۔جس کا پہلا مظہر احزاب کا معرکہ تھا۔ان رؤسا میں حیی بن اخطب جنگ قریظہ میں قتل ہوا جس کے بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق اس کا جانشین ہوا۔یہ بہت بڑا تاجر اور صاحب اثر تھا۔قبیلۂ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحب اثر قبیلہ تھا۔ان کی آبادی خیبر سے متصل تھی اور ہمیشہ سے یہود خیبر کے ہم عہد تھے۔

۶رہجری میں سلام نے خود جا کر قبیلۂ غطفان اور ان کے آس پاس کے قبیلوں کو اسلام کے خلاف مقابلہ کے لئے آمادہ کیا۔یہاں تک کہ ایک عظیم الشان فوج لیکر مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کیں۔محمد ﷺ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ کے ایماء سے سلام بن ابی الحقیق (رمضان ۶رہجری میں عبداللہ بن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہاتھ اپنے قلعہ خیبر میں سوتا ہوا مارا گیا) کے بعد یہودیوں نے اسیر بن رزام کو مسند ریاست پر بٹھایا۔اس نے قبائل یہود کو جمع کیا اور تقریر کے ذریعہ کہا کہ محمدؐ سے مقابلہ کی صحیح تدبیر یہ ہے کہ محمد (ﷺ) کے دارالریاست پر حملہ کیا جائے اور میں یہی طریقہ اختیار کروں گا۔اس غرض سے اسیر نے غطفان اور دیگر قبائل کا دورہ کیا اور ایک فوج تیار کی جب یہ خبر محمدؐ کو پہنچی تو آپ نے اس پر اعتماد نہیں کیا بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کو بھیجا کہ خود خیبر جا کر اصل واقعہ کی تحقیق کریں۔چنانچہ وہ چند آدمیوں کو لے کر خیبر گئے اور چھپ کر خود اسیر کی زبانی اس کے مشورے اور تدبیریں لیں۔ان حالات کو آ کر محمدؐ سے عرض کیا،اس کے بعد عبداللہ بن رواحہ کو تین آدمیوں کا دستہ بنا کر خیبر روانہ کیا۔ان لوگوں نے اسیر سے کہا کہ محمدؐ نے اس لئے بھیجا ہے کہ اگر تم حاضر ہوجاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دے دی جائے گی چنانچہ وہ تیس آدمی لیکر خیبر سے نکلا لیکن راستہ میں حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار چھیننی چاہی اور اس طرح بدعہدی کرنے کی کوشش کی نتیجتاً جنگ ہوئی اس میں حضرت عبداللہ زخمی ہوئے اور یہود کا سردار بھی مارا گیا۔اس طرح خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا دشمن تھا۔(۴۵)

خیبر کے حوالہ سے مارگولیوتھ نے لکھا ہے:

''خیبر پر حملہ ظالمانہ کارروائی تھی مدینہ کے یہودی قبائل سے تو حقیقی یا فرضی اسباب کی وجہ سے انتقام لیا گیا۔ مگر خیبر مدینہ سے کافی فاصلہ پر تھا۔ انہوں نے محمدؐ یا مسلمانوں کے ساتھ کوئی ایسی بات نہیں کی جس کو ان سب کی طرف سے زیادتی تصور کیا جائے۔ ان میں سے کسی ایک کا محمدؐ کے بھیجے ہوئے قاصد کو قتل کر دینا انکے حق میں انتقامی کارروائی کو جائز قرار نہیں دیتا ہے''۔(۴۶)

مارگولیوتھ یہود کی حرکتوں پر نظر رکھتے تو شاید یہ اعتراض نہیں کرتے کیونکہ خیبر کے یہودیوں کے ساتھ جو سلوک اپنایا گیا وہ ان کی مسلسل بغاوت اور قریش مکہ کو اکسانے کی بنیاد پر ہوا۔

جس وقت بنونضیر کے سردار قریش مکہ کو جنگ پر آمادہ کرنے کی غرض سے مکہ گئے تھے تو قریش نے ان سے پوچھا کہ تم اہل کتاب ہو اپنے علم کی بنیاد پر بتلاؤ کہ ہمارا مذہب (بت پرستی) درست ہے یا محمدؐ کا؟ یہودیوں نے کتمان سے کام لے کر کہا کہ تمہارا مذہب سچا ہے اور تم بہ نسبت محمدؐ کے حق پر ہو۔ اس کو سن کر قریش بہت خوش ہوئے۔(۴۷)

مارگولیوتھ کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے تھا کہ :

''بنونضیر جلاوطنی کے بعد خیبر چلے گئے تھے۔ ابورافع سلام بن ابی الحقیق ان کا سردار تھا۔ وہاں پر ان لوگوں نے مسلمانوں کے خلاف قبائل کو اکٹھا کرنا شروع کیا چنانچہ یہ سردار بنوغطفان اور قریش مکہ کے یہاں گیا تھا تاکہ ان کو مدینہ پر ایک بڑے لشکر کے ساتھ حملہ پر ابھارے''۔(۴۸)

ان تمام وجوہات کی بنیاد پر مجبوراً ان کے خلاف کارروائی کی گئی اور محاصرہ کرکے ان کی اکثریت کے ساتھ صلح کا معاملہ کیا گیا۔ مزید احسان کرکے رسولؐ نے انہیں خیبر ہی میں رہنے دیا اور خیبر کی زمین بھی ان کے حوالہ کر دی تاکہ وہ ان میں کام کریں اور انہیں اس کی پیداوار کا آدھا حصہ دیا گیا۔

قتل کعب بن اشرف اور مستشرقین :

مستشرقین کے اعتراضات کو جاننے سے قبل کعب بن اشرف کا واقعہ بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے لکھا ہے کہ یہودیوں میں کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا۔ اس کے باپ اشرف جو قبیلہ طے سے تھے، مدینہ میں بنونضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابورافع بن ابی الحقیق جو یہود کا مقتدا اور تاجر الحجاز جس کا خطاب تھا اس کی لڑکی سے شادی کی۔ کعب اس کے بطن سے پیدا ہوا۔ اس دوطرفہ رشتہ داری کی بناء پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا۔ اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا۔ رفتہ رفتہ دولت مندی کی وجہ سے تمام یہودیان عرب کا رئیس بن گیا۔ یہودی علماء اور پیشوایان مذہب کی تنخواہیں مقرر کیں چنانچہ اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی میں

سرداران قریش مارے گئے تو اس کو نہایت صدمہ ہوا۔تعزیت کے لئے مکہ گیا۔کشتگان بدر کے پر درد مرثیے جن میں انتقام کی ترغیب تھی لوگوں کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور روتا اور رلاتا تھا۔جب مدینہ واپس آیا تو محمدؐ کی ہجو میں اشعار کہتا اور لوگوں کو محمدؐ کے خلاف مشتعل کرتا تھا۔نیز علامہ شبلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مکہ میں چالیس آدمی لے کر گیا۔وہاں ابوسفیان سے ملا اور ان کو بدر کے انتقام پر مشتعل کیا اور ابوسفیان سب کو لے کر حرم میں آئے۔سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لیں گے۔اسی طرح علامہ شبلی یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ کعب بن اشرف یہودی نے رسول ﷺ کو دھوکہ سے قتل کرنا چاہا۔اس فتنہ پروری کے پڑھنے کے اندیشہ سے آپؐ نے بعض صحابہ سے شکایت کی اور آپ کی مرضی سے حضرت محمد بن مسلمہ نے یہ مشورہ روسائے روس سے جا کر کیا۔الغرض اس کو ربیع الاول ۳ ہجری میں قتل کر دیا۔(۴۹)

اس واقعہ پر ولیم میور اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

I most not omit to notice another of those dastardly acts of cruclty which darken the pages of the prophet's lif e. (50)

ترجمہ : میں اس سے صرف نظر نہیں کر سکتا کہ ظالمانہ اور بہیمانہ سرگرمیوں میں سے ایک اور سرگرمی عمل میں لائی گئی جو کہ محمدؐ کی زندگی کے صفحات پر اندھیرا لائی ہے۔

آگے لکھتے ہیں:

The ruthless fanaticism into wich the teaching of the prophet was fast drifting. (51)

ترجمہ : ایک بے رحمانہ اور جنونی اقدام تھا جو پیغمبر اسلام کی تعلیمات کو تیزی سے بہا کر لے گیا۔

اگر غور کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ولیم میور کا یہ اعتراض حقیقت سے کوسوں دور ہے کیونکہ کعب بن اشرف نے جس طرح کی فتنہ پروری کی تھی اس کا علاج یہی تھا۔اس کا جرم یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ مسلمان عورتوں کو اپنے اشعار میں ہجو بھی کرتا تھا اور برسر محل ان کی عزتوں سے شغل کرتا تھا ایسا لگتا ہے کہ ولیم میور نے یک طرفہ تجزیہ کیا اور اسلام کو ہدف تنقید بنا ڈالا۔یا پھر اس نے حقائق سے صرف نظر کیا۔یا یوں کہئے کہ تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔قرآن میں بھی گستاخان رسولؐ کے متعلق شدید الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُؤۡذُوۡنَ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ لَعَنَہُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ وَاَعَدَّ لَہُمۡ عَذَابًا مُّہِیۡنًا ﴿۵۷﴾ — (سورہ احزاب)

ترجمہ : جو لوگ ستاتے ہیں اللہ کو اور اس کے رسول کو ان کو پھٹکار دی ہے اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں اور تیار کر رکھا ہے ان کے لئے ذلت کا عذاب۔

معاہدہ نجران اور مستشرقین :

معاہدۂ نجران کے سلسلہ میں مونٹگومری لکھتے ہیں:

''سیاسی تحفظات رسولؐ کا عیسائیوں کے متعلق رویہ کے سامنے آڑے آگئے۔ مسیحی قبائل اور خاندانوں نے رسولؐ کے ساتھ معاہدہ کے ساتھ معاہدے کئے اور ان میں کمزور بھی مسلمانوں کو جزیہ ادا کرنے لگے''۔(۵۲)

سیر وتواریخ کی کتب میں مذکور ہے کہ رسولؐ نے یا آپؐ کے بعد صحابہ کرام نے نصاریٰ کے ساتھ جتنے بھی معاہدات کئے تاریخ گواہ ہے کہ ان معاہدات سے وہ بخوشی راضی تھے۔اہل نجران کو جب رسولؐ کے معاہدہ اور وفد کی خبر موصول ہوئی تو پادری اور علاقے کے لوگ وفد کے استقبال کے لئے نکلے۔وہ اس بات پر خوش تھے کہ محمدؐ نے ان کے جان ومال اور مذہب کی ذمہ داری قبول کرلی۔اس طرح مستشرقین نے اسلام کی روح کو مسخ کرنے کی کاوش کی ہے اور اسلام کی تمام تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی عملی زندگی اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ محمدؐ نے پوری زندگی امن پسندانہ پالیسی کو اپنایا۔اس کے علاوہ مستشرقین اسلام کے نظام امن اور نظام جہاد پر بھی اعتراض کرتے ہیں چنانچہ مونٹگومری لکھتے ہیں:

''محمد (ﷺ) جب مدینہ ۶۲۲ء میں گئے تو مہاجرین میں سے چند ایک قبائلی ڈاکوؤں میں مصروف ہوگئے غالباً اس کا مقصد اوروں کو ترغیب دینا تھا تاکہ وہ بھی ان ڈاکوؤں میں شمولیت اختیار کریں۔جسے قرآن نے اللہ کے راستہ کا جہاد قرار دیا ہے''۔(۵۳)

اسی طرح مستشرق کولڈز پیر پیغمبر رحمت کی مدنی زندگی کے متعلق رقم طراز ہے کہ محمد (ﷺ) نے ایک دم اپنا رخ ان اطراف کی طرف کیا جن کے تعلق دنیا سے تھا۔چنانچہ وہ دنیا میں تلوار لے کر وارد ہوئے،انہوں نے جنگ کا بگل بجایا اور اپنی حکومت قائم کرنے کے لئے ان کی تلوار سے خون ٹپکنے لگا۔(۵۴)

اگر انصاف سے تجزیہ کیا جائے تو یہ کہنا مناسب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قیام امن کے لئے ناگزیر حالات میں تلوار اٹھائی اور اسی حد تک جنگی اقدامات کئے جن کی اشد ضرورت تھی کیونکہ قیام امن کے لئے بعض دفعہ جنگ ناگزیر ہوتی ہے۔ اس وجہ سے جنگ عظیم اول کے جرنیل فریڈرک وان برن ہارڈی لکھتا ہے:

''جنگ ایک حیاتیاتی ضرورت ہے اور اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ عناصر فطرت میں تنازع للبقاء۔یہ تنازع للبقاء حیاتیاتی طور پر عناصر کو ٹھیک ٹھیک ان کے موزوں مقام پر رکھتا ہے اور عناصر کے مقام کی موزونیت خود عناصر کی طبعی حالت پر منحصر ہے''۔(۵۵)

یعنی معاشرتی اصلاح کے لئے جن فسادی عناصر کا قلع قمع ضروری ہے ان کے لئے جنگ امر لازم ہے۔اسلام میں بھی اس لئے تلوار اٹھائی گئی جسے آج میڈیا کے بل بوتے سے ایک عیب اور طعنہ بنادیا گیا ہے۔''اسلام میں جنگ کی اہمیت پر کیرن آرمسٹرانگ نے لکھا ہے:

''اسلام ایسی جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں دیتا، جس میں انسانیت کی تباہی مقصود ہو، اسلام نے جنگ کے ناگزیر ہونے کو تسلیم کیا ہے۔ بعض اوقات جنگ ظلم وتعدی کے سدباب کے لئے فرض عین بن جاتی ہے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ جنگ اپنی حدود میں رہ کر کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو، اخلاقی اور انسانی اقدار کا پاس کیا جائے''۔(۵۶)

جولوگ اسلام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اسلام کی اشاعت بزور تلوار ہوئی ہے ان کے لئے کیرن آرمسٹرانگ کی کتاب کا یہ اقتباس کافی ہوگا:

''اسلام کو تلوار کے دین کا لیبل لگا کر بدنام کیا گیا۔ ایک ایسا دین، جس نے تشدد اور عدم رواداری کو مقدس بنا کر روحانیت حقیقی کو ترک کر دیا ہو۔ یہ ایک ایسا مفروضہ ہے جس نے قرون وسطی سے مغربی عیسائی دنیا میں اسلام کو ذلیل کر دیا ہے اگرچہ اس زمانہ میں عیسائی مشرق وسطی میں اپنی جنگوں میں مصروف تھے۔ جنہیں وہ ''مقدس جنگوں'' کا نام دیتے تھے آج عام طور پر کی جانے والی کتابوں اور ٹیلی ویژن پروگراموں میں اسلام کو عموماً Rege of Islam, Sacred Rege of Holy Terror کے القاب سے متعارف کرایا جاتا ہے جبکہ یہ حقیقت سے اغماض اور اسے توڑ مروڑ کے پیش کرنا ہے۔ مغرب میں ہم لوگ محمد (ﷺ) کو آقائے حرب وجنگ کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ایسا آقا جس دنیا پر اس کے نہ چاہنے کے باوجود اسلام کو بزور شمشیر مسلط کرنے کے لئے اپنی تلوار چمکا رکھی ہو۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ محمد (ﷺ) اور شروع دور کے مسلمان اپنی حیات کی بقاء کی جنگ لڑ رہے تھے۔ انہیں دنیا کو ایسا پرامن نظام عطا کرنا تھا، جس کے حصول میں (مناسب) تشدد ناگزیر تھا۔ اس لئے اصلاح پر مبنی کوئی بھی سماج اور سیاسی انقلاب خوں ریزی کے بغیر برپا نہیں ہوسکتا''۔ چونکہ محمدؐ افراتفری اور لاقانونیت کے دور میں رہ رہے تھے، لہٰذا امن وآشتی کو بزور شمشیر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ ج۔ہ۔د کے مادے میں مقدس جنگ سے زیادہ وسیع معنی ہیں اور یہ اخلاقی جسمانی، روحانی، اور ہر طرح کی ذہنی جدوجہد کا نام ہے۔ عربی زبان میں حرب، سریہ، معرکہ اور قتال جیسے الفاظ کو بآسانی استعمال کرسکتا تھا۔ جہاد دین اسلام کے پانچ ستونوں میں سے نہیں ہے۔ جیسا کہ مغرب میں سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ یہ مسلمانوں پر ایک ایسے فریضے کے طور پر عائد کیا گیا ہے وہ کارزار حیات کے تمام محاذوں پر بالکل چوکس رہیں تاکہ ایک منصفانہ فلاحی اور خوشگوار معاشرہ کی تشکیل کی جاسکے۔ جس میں بے سہارا اور مفلوک الحال لوگوں کا استحصال نہ ہوسکے''۔(۵۷)

سطور ذیل میں یہ بھی بتادیا جائے کہ مستشرقین کے عزائم اور اہداف ومقاصد کیا ہیں اور کن وجوہات کی بنیاد پر وہ اسلام کی مقدس تعلیمات کو ہدف تنقید بناتے ہیں۔

مقاصد وعزائم :

مستشرقین نے اپنی تالیفات وتصنیفات میں اسلام کی تصویر کو ہر طور پر بدنما کرنے کی جسارت کی ہے گویا اسلام کو ایک افسانوی کردار بنا کر پیش کیا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ جن موضوعات کی طرف کسی خیر کی نسبت دینا وہ مغرب کی توہین سمجھتے ہیں

ان موضوعات پر انہوں نے کتابوں کے ڈھیر لگا دیئے۔جن سے یورپ اور امریکہ کی لائبریریاں بھری پڑی ہیں۔اگر اسلام اور پیغمبر اسلام کا تصور اتنا ہی گھناؤنا ہے جتنا وہ بنا کر پیش کرتے ہیں تو انہوں نے اس موضوع کو اپنی تحقیق وتدقیق کا میدان کیوں بنایا۔تحریک استشراق کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مستشرقین نے اس کا آغاز دو جہتوں سے کیا تھا۔ایک طرف تو انہوں نے مسلمانوں کے علمی ذخائر کو اپنے ممالک میں منتقل کرتے اور انہیں استعمال میں لا کر مادی اور تہذیبی میدانوں میں ترقی کرنے کی کوشش کی اور دوسری طرف مسلمانوں کے دین ان کی تاریخ وتہذیب کو مسخ کرنے۔مسلمانوں کو اپنے دین سے بیگانہ کرنے اور غیر مسلم لوگوں کو اسلام سے متنفر کرنے کی بھرپور مہم چلائی،ان کے طریقۂ کار میں تو تبدیلی آتی رہیں لیکن کبھی بھی انہوں نے اپنے عزائم سے سمجھوتہ نہیں کیا اور وہ اسلام کی بیخ کنی میں لگے رہے۔چنانچہ ظفر علی قریشی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ عیسائیوں نے اپنے علاقوں کو گنوا بیٹھنے کو کبھی نظر انداز نہیں کیا اور نہ ہی کبھی مسلمانوں کو معاف کیا۔مسلمانوں کی فتوحات کے علاوہ بھی کئی محرکات ایسے سامنے آتے رہے جن سے مغرب والوں کا غیظ وغضب بڑھتا ہی رہا۔مصطفی سباعی نے لکھا ہے کہ جب عالم اسلام فوجی،سیاسی،اقتصادی اور ثقافتی اعتبار سے تنزل وانحطاط کے مراحل سے گزر رہا تھا تو یورپ میں مسلمانوں پر سیاسی غلبہ حاصل کرنے کے احساس نے کروٹ لی۔مغربی عیسائیوں نے یکے بعد دیگرے عالم اسلام کے ایک ایک شہر کو ہوس کا نشانہ بنایا۔ابھی عالم اسلام کے اکثر دیار وبلاد پر یورپین عیسائیوں کو مکمل سیاسی غلبہ حاصل نہ ہوا تھا کہ اسلامی علوم اور تاریخ کے متعلق اہل یورپ کا نقد وجرح اور تنقید وتبصرہ میں خاطر خواہ اضافہ ہوتا چلا گیا۔ان کے مطابق یورپ کی تحریک استعمار اور تحریک استشراق کے مقاصد ایک ہی ہیں۔(۵۸)

آخر میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اہل مغرب نے دنیائے اسلام کو اپنے استعماری پنجے میں جکڑ لیا۔انہوں نے اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کی تاریخ اور ان کے جغرافیائی،سیاسی،سماجی اور اخلاقی ومعاشی حالات کا مطالعہ ضروری سمجھا۔اسی وجہ سے انہیں یہ محسوس ہوا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس کے اندر قوموں کی تقدیر بدلنے کی ہیئت موجود ہے۔وہ عالم اسلام سے علوم وفنون کے گنج ہائے گراں مایہ اور صدیوں کی علمی وفکری کاوشوں کے خزانے لے اڑے۔عربی زبان پڑھانے کی تحریک چلی،یورپ کی بڑی بڑی جامعات میں عربی زبان اور مشرقی تمدن وتہذیب سے واقفیت کے لئے مراکز قائم ہوئے۔مسلمانوں کے علمی شاہپاروں کی اشاعت ہونے لگی۔اور السنہ شرقیہ کی تدریس کے لئے تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔عالم اسلام میں علمی مہمیں بھیجنے کا بندوبست ہوا اور اہل مشرق کے طرز حیات اور خصوصیات کو سمجھنے کے لئے متعدد ایشیائی سوسائٹیاں تشکیل دی گئیں۔اس طرح سے مسلمانوں کے علمی سرمایہ کو انہی کے خلاف استعمال کیا جارہا ہے۔

مراجع ومصادر :

(۱) شرف الدین اصلاحی،ڈاکٹر،مستشرقین،استشراق اور اسلام،ماہنامہ معارف اعظم گڑھ ستمبر،۱۹۸۲ء،ص ۱۶۵۔۱۶۶۔

(۲) The Oxford English Dictionary,Oxford university 1989 vol X P930.

(۳) ایضاً.P 931

(۴) The Heritage Illustrated Dictionary of the English Language,New York,1973,P926.

(۵) المنجد، دارالمشرق، بیروت ۱۹۶۷ء،ص ۹۴۷۔

(۶) الرائد، معجم لغوی عصری، جبران مسعود بیروت ۱۹۶۷ء،ص ۶۵۔

(۷) اردو لغت (تاریخی اصول) کراچی، اردو لغت بورڈ، ۲۰۰۲ء، ج ۲،ص ۲۔

(۸) جامع اللغات، اپریل لاہور، س۔ن۔ص ۱۸۲۵۔

(۹) اللبان، ابراہیم عبدالمجید، المستشرقون والاسلام، مجمع البحوث الاسلامیہ، اپریل ۱۹۷۰ء،ص ۴۔ ۵۔

(۱۰) شرف الدین اصلاحی، ڈاکٹر، مرجع سابق،ص ۱۶۸۔

(۱۱) یحییٰ مراد، ڈاکٹر، افتراء المستشرقین علی الاسلام والرد علیھا، بیروت، دارالکتب العلمیہ ۲۰۰۴ء،ص ۱۷۔ ۷۔

(۱۲) محمد ابراہیم، دکتور، الاستشراق رسالۃ الاستعمار، قاہرہ دارالفکر العربی، ۱۹۹۳ء،ص ۱۴۲۔

(۱۳) نجیب العقیقی، المستشرقون، دارالمعارف بمصر، ۱۹۶۴ء،ص ۱۲۰۔

(۱۴) محمد البہی، الفکر الاسلامی الحدیث وصلتہ بالاستعمار الغربی، بیروت، دارالفکر،ص ۵۳۲۔

(۱۵) زفروق، محمود حمدی، دکتور، الاستشراق والخلفیۃ الفکریہ للصراع الحضاری، قاہرہ، دارالمنار، ۱۹۸۹ء،ص ۲۵۔

(۱۶) دباب، محمد احمد، دکتور، اضواء علی الاستشراق والمستشرقین، قاہرہ، دارالمنار ۱۹۸۹ء،ص ۱۵۔

(۱۷) حبیب الحق ندوی، پروفیسر، سید، اسلام اور مستشرقین، ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، مئی ۱۹۸۳ء،ص ۳۳۲۔ ۳۳۔

(۱۸) ایضاً،ص ۳۳۴۔ ۳۳۳۔

(۱۹) ایضاً،ص ۳۳۶۔ ۳۳۵۔

(۲۰) دباب، محمد احمد، دکتور، المرجع السابق،ص ۱۷۔

(۲۱) زفروق، محمود حمدی، دکتور، الاستشراق والخلیقۃ الفکریہ للصراع الحضاری، قاہرہ، دارالمنار، ۱۹۸۹ء،ص ۲۵۔

(۲۲) دباب، محمد احمد، حوالہ سابق،ص ۲۳۔ ۲۴۔

(۲۳) الجبری، عبدالمتعال، محمد، دکتور، الاستشراق، وجہ للاستعمار الفکر، قاہرہ، مکتبہ وہبہ، ۱۹۹۵ء،ص ۵۵۔

(۲۴) تفصیل کے لئے دیکھئے۔علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، ناشران، وتاجران کتب اردو بازار لاہور، ۲۰۰۶ء، ج ۱،ص ۷۱۔ ۷۲۔

(۲۵) ایضاً،ص ۲۳۱۔ ۲۳۲۔

(۲۶) ایضاً،ص ۲۲۹۔

(۲۷) ایضاً،ص ۲۳۲۔

(۲۸) Life of Mohammad ibid P:242.

(۲۹) برکات احمد، رسول اکرم ﷺ اور یہود حجاز (اردو) مترجم شیر الحق، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی ۱۹۸۵ء،ص ۹۴۔

(۳۰) D.S Margoliouth,Mohammad and The rise of Islam ,P:286.

(۳۱) محمد بن فارس الجمیل، النبی ویہود المدینہ، مرکز الملک فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیہ، الریاض، ۲۰۰۲ء،ص ۱۴۵۔

(۳۲) ایضاً،ص ۱۴۳۔
(۳۳) ابن بطال،شرح صحیح البخاری،ج ۵،ص ۲۴۵۔
(۳۴) سمھودی،نورالدین علی بن احمد،وفاءالوفا باخبار دارالمصطفیٰ دارالکتب العلمیہ،بیروت،لبنان،ج ۱،ص ۱۶۳۔
(۳۵) تفصیل کے لئے دیکھئے۔سیرۃ النبی ج ۱،ص ۲۳۴۔ ۲۳۵۔
(۳۶) کارل،بروکلمان،تاریخ الشعوب الاسلامیہ،دارالعلم للملائیں بیروت،۲۰۰۱ء،ص ۵۲۔
(۳۷) اسرائیل ولفنسون،تاریخ الیھود فی بلاد العرب،مطبعۃ الاعتماد،مصر ۱۹۲۷ء،ص ۳۷۔
(۳۸) حکیم محمد احمد ظفر،پیغمبر امن،مکی دارالکتب،لاہور ۲۰۰۹،ص ۴۷۷۔
(۳۹) سیرۃ النبی،ج ۱،ص ۲۳۵۔
(۴۰) ایضاً،ص ۲۴۹۔ ۲۵۰۔
(۴۱) Life of Mohammad p322
(۴۲) ابن سعد،الطبقات الکبریٰ اردو دارالاشاعت کراچی،۲۰۰۳،ج ۱،ص ۲۸۲۔
(۴۳) محمد حسین ہیکلی،حیات محمد اردو،الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور،۲۰۰۶ء،ص ۴۳۹۔
(۴۴) توراۃ،کتاب استثناء،باب ۲۰،آیت ۱۰۔
(۴۵) سیرۃ النبی،ج ۱،ص ۲۷۰۔ ۲۷۱۔
(۴۶) Mohammad and the rise of Islam p322
(۴۷) ابن ہشام،عبدالملک،سیرۃ النبویۃ،مترجم یاسین علی حسن نظامی،ادارہ اسلامیات کراچی،۱۹۹۴،ج ۲،ص ۱۶۔
(۴۸) ابن سعود،ج ۱،ص ۲۳۲۔ ۲۳۴۔
(۴۹) سیرۃ النبی،ج ۱،ص ۲۳۲۔ ۲۳۴۔
(۵۰) Willaiam Muir life of Mohammad p245
(۵۱) ایضاً .P 248
(۵۲) W Montgomery watt Mohammad at Madina P319
(۵۳) Montgomery watt,Islamic Surveys.P15
(۵۴) Goldziher,Introduction to Islamic Thcology and law p2
(۵۵) M.F Ashley montage,man in power p76
(۵۶) Karen Armstrong,Holy War,P25
(۵۷) Karen Armstrong,Mohammad A Biography of prophet p164,168
(۵۸) السباعی،محمد مصطفی الدکتور،السنہ ومکانتھا فی التشریع الاسلامی،القاہرہ،مکتبہ دارالعروبہ شارع الجمہوریہ،۱۹۶۱،ص ۳۲۔ ۳۱۔

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

چھٹی قسط

منزل جاناں پہ تو پہنچا بہ صد مشکل سہی
(چند دن دیار حرم میں)

● وارث ریاضی —— کاشانۂ ادب، سکٹا دیوراج، بسوریا، مغربی چمپارن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ (وفات ۱۹۷۶ء) لکھتے ہیں:

”....آیت: وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ“ باتفاق مفسرین قصۂ حدیبیہ میں نازل ہوئی، جو ۶ھ میں واقع ہوا ہے، اس سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس آیت کا مقصد حج کی فرضیت بتلانا مقصود (کذا) نہیں، وہ پہلے بتلائی جا چکی ہے، بلکہ اس جگہ حج اور عمرہ کے کچھ خاص احکام بتلانا مقصود ہے“۔

اور چوں کہ سورۂ آل عمران میں حج کا فرض ہونا مذکور ہے، اس میں صرف حج ہی کا ذکر ہے، عمرہ کا نہیں ہے، اور یہ آیت جس میں عمرہ کا ذکر ہے، اس میں اصل وجوب وفرضیت کا بیان نہیں، بلکہ ذکر اس کا ہے کہ جو کوئی شخص حج یا عمرہ کو بذریعہ احرام شروع کر دے، تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ عام نفلی نماز اور روزہ کا حکم بھی یہی ہے کہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں، اس لیے اس آیت سے یہ مسئلہ معلوم نہیں ہوتا کہ عمرہ واجب ہے یا نہیں، صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی شروع کر دے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔

ابن کثیرؒ نے بہ حوالہ ترمذی، احمد، بیہقی، حضرت جابرؓ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا عمرہ واجب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: واجب تو نہیں، لیکن کرلو تو بہتر اور افضل ہے۔ (قال الترمذی حدیث حسن صحیح) اسی وجہ سے امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ وغیرہ کے نزدیک عمرہ واجب نہیں، سنت ہے“—— (۷۰)

مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ نے ترمذی شریف کے حوالے سے حضرت جابرؓ کی جو روایت سطور بالا میں نقل کی ہے، اس کا متن یوں ہے:

"عن جابر رضی اللہ عنہ قال: سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن العمرۃ اواجبۃ ھی؟ قال: لا، وان تعتمر فھو افضل، قال الترمذی: حدیث حسن صحیح" — (۷۱)

علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ اگر چہ اس حدیث میں ایک راوی حجاج بن ارطاط پر شبہے کا اظہار کیا گیا ہے، لیکن بہت سے راویوں نے اس حدیث کی تحسین کی ہے، علاوہ ازیں یہ حدیث متعدد طرق سے بیان کی گئی ہے اور جو "حدیث حسن" متعدد طرق سے بیان کی گئی ہو تو وہ درجۂ حسن کو پہنچ جاتی ہے، لہذا حضرت جابر کی درج بالا روایت "حسن صحیح" ہے اور احناف کے لیے قابل حجت ہے — (۷۲)

ابن ہمامؒ نے امام ابوحنیفہؒ کے استدلال میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی پیش کی ہے:

"روی عبدالباقی بن قانع عن ابی ھریرۃ (رضی اللہ عنہ) قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الحج جھاد والعمرۃ تطوع" — (۷۳)

ترجمہ: عبدالباقی بن قانع نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج جہاد (یعنی فرض) ہے اور عمرہ سنت ہے۔

درج بالا حدیث کو ابوصالح ماہان نے مرسلا بھی روایت کیا ہے اور حدیث مرسل بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قابل حجت ہے۔

کچھ لوگوں نے درج بالا حدیث کے راویوں میں عبدالباقی اور ابوصالح ماہان کی تضعیف کی ہے، لیکن شیخ تقی الدین نے عبدالباقی کو کبار حفاظ میں شمار کیا ہے اور ان کی اسناد کو بھی ثقہ قرار دیا ہے، اسی طرح ابن معین نے ماہان کو ثقہ راوی قرار دیا ہے اور ان کی تضعیف کو غیر صحیح کہا ہے — (۷۴)

ابن ہمامؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی مستدل حدیث میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو بھی پیش کیا ہے:

"قال عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، الحج فریضۃ والعمرۃ تطوع"۔

ترجمہ: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حج فرض ہے اور عمرہ سنت ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت کے بارے میں علامہ ابن ہمام نے لکھا ہے:

کفی بعبد اللہ قدوۃ — (۷۵) یعنی عمرہ کے سنت ہونے کے ثبوت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت کافی ہے۔

عمرے کی فرضیت اور اس کی سنیت پر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کی مستدل احادیث نقل کرنے کے بعد علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ فریقین کی احادیث باہم معارض ہیں، چنانچہ وہ رقم طراز ہیں:

"وقد تحقق ذالك فقام ركن المعارضة، والافتراض لايثبت مع المعارضة، لان المعارضة تمنع عن اثبات مقتضاه، ولايخفى ان المراد من قول الشافعي رحمه الله الفرض الظنى وهو الوجوب عندنا، ومقتضى ماذكرناه ان لايثبت مقتضى مارويناه ايضا لاشتراك فى موجب المعارضة فى اصل التقرير حينئذ تعارض مقتضيات الوجوب والنفل فلايثبت ويبقى مجرد فعله صلى الله عليه وسلم واصحابه والتابعين وذالك يوجب السنية، فقلنا بها، والله سبحانه وتعالى اعلم" ـ(۴٦)

ترجمہ : یہ بات تحقیق سے ثابت ہو چکی ہے کہ امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ کی مستدل احادیث میں معارضہ ہے اور معارضے سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی، کیوں کہ معارضہ، اثبات مقتضا کے لیے رکاوٹ بن جاتا ہے، اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ فرضیت عمرہ سے امام شافعی کی مراد "فرض ظنی" ہے، اور فرض ظنی ہمارے نزدیک وجوب کہلاتا ہے، علاوہ ازیں ہم نے جس مقتضا کا ذکر کیا ہے، وہ بھی ہماری روایت کردہ مقتضا کو ثابت نہیں کرتا، کیوں کہ فریقین کی روایات معارض ہونے میں مشترک ہیں، لہذا ہماری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اس وقت مقتضیات وجوب اور مقتضیات نفل معارض ہیں، جس کے باعث اصل مدعا ثابت نہیں ہوتا، ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اصحاب النبی رضوان اللہ اجمعین اور حضرات تابعین رحمہم اللہ کے تعامل کو دیکھا جائے گا، چوں کہ انہوں نے اپنی عمر میں عمرے کیے ہیں، لہذا ان کا تعامل عمرے کی سنت ہونے کی دلیل ہے، اسی وجہ سے ہم نے وہ بات بیان کر دی، اور اصل بات تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی جانتا ہے۔

بہر حال عمرے میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف ایک رکن ہے اور وہ ہے بیت اللہ کا اکثرِ طواف یعنی چار بار بیت اللہ کا چکر لگانا، احرام امام صاحب کے نزدیک عمرہ کے لیے شرط ہے، رکن نہیں ہے، چار چکر لگانے کے بعد تین بار چکر لگانا واجب ہے، اس طرح سعی بین الصفا والمروہ اور حلق یا قصر کرانا واجب ہیں۔

امام مالک اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے نزدیک عمرے کے تین ارکان ہیں :

(۱) احرام۔
(۲) طواف۔
(۳) السعی بین الصفا والمروہ۔

امام شافعیؒ کے نزدیک عمرہ کے پانچ ارکان ہیں :

(۱) احرام۔
(۲) طواف۔
(۳) سعی بین الصفا والمروہ۔

(۴) بال ترشوانا۔

(۵) اور یہ چاروں ارکان ترتیب کے ساتھ ادا کرنا۔۔۔(۷۷)

عمرہ کے دیگر مسائل فقہ کی کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، یہاں صرف اتنا جان لیا جائے کہ عمرہ کے واجبات، سنن، محرمات، مکروہات، اور مفسدات وغیرہ تقریباً وہی ہیں، جو حج کے ہیں۔

عمرے کا ذکر آیا تو بات کچھ دور تک چلی گئی:

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

بیت اللہ پر نظر پڑتے ہی اس کی ہیبت اور جلال سے ہوش وحواس غائب ہو گئے، ایک بے خودی کی کیفیت طاری ہوگئی، پوری زندگی میں اپنی بے چارگی کا اس قدر احساس اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا:

اصغر حریمِ حسن میں ہستی ہی جرم ہے
رکھا یہاں نہ پاؤں کبھی سر لیے ہوئے

۔۔۔(اصغر گونڈوی)

بیت اللہ کو دیکھ کر ناچیز انوارِ الٰہی کے جلوؤں میں کھو گیا؛ لیکن عالم حیرت میں بھی دل میں مسرتوں کے ہزاروں کنول کھل گیے، ایمان ویقین کے ستارے جگمگا اٹھے، گلستانِ دل میں عرفان وآگہی کی بہاریں رقص کرنے لگیں، آج آرزوؤں کو مجسم دیکھنے کا دن تھا، زندگی کی یہی آرزو تھی، جس کی تکمیل ہونے میں نہ جانے کتنی آرزوئیں ترس کے رہ گئی تھیں۔

کعبہ مشرفہ کو دیکھ کر ہر زائر کو بغیر کسی حساب کے مغفرت اور ایمان پر ثبات وغیرہ کی دعا کرنی چاہیے کہ یہ قبولیت دعا کا سنہرا وقت ہوتا ہے، ناچیز نے سب سے پہلے اپنے لیے خاتمہ بالخیر اور اپنے والدین مرحومین کے لیے مغفرت کی دعائیں کیں، جن کی دعاؤں کی برکت سے بیت اللہ تک رسائی ہوئی تھی، پھر اپنی شریک حیات، بیٹے، بیٹیاں، ان کی اولاد، اپنے خاندان کے تمام افراد، احباب واعزہ، اساتذہ، اپنے تمام متعلقین اور امت مسلمہ اور تمام دنیائے انسانیت کی فلاح وبہبود کے لیے الحاح وزاری کے ساتھ دعائیں کیں۔علامہ ابن الہمام نے لکھا ہے:

"ومن اهم الادعية طلب الجنة بلاحساب فان الدعاء مستجاب عند رؤية البيت"۔(۷۸)

ترجمہ : دعاؤں میں سب سے اہم ترین دعا یہ ہے کہ بیت اللہ کی رویت کے وقت اللہ تعالیٰ سے بغیر کسی حساب کے حصول جنت کی دعا کی جائے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہوتا ہے۔

دعا کے بعد حجر اسود کے محاذ میں دائیں طرف کھڑا ہوا اور طواف کی نیت کر کے دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے اور بسم اللہ، اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وللہ الحمد کہتا ہوا مولانا حبیب الرحمن قاسمی کا بازو پکڑ کر طواف کرنے لگا۔

طواف کرنے والے مرد ہوں تو انہیں دو کام زیادہ کرنا ہے، ایک اضطباع اور دوسرا رمل، اضطباع سے مراد یہ ہے کہ احرام کی چادر کو دائیں بغل سے نکال کر بائیں مونڈھے پر ڈالنا یہ عمل اضبطاع اولِ طواف سے آخر تک سنت موکدہ ہے، رمل کا مفہوم یہ ہے کہ چلنے میں جھپٹ کر جلدی جلدی اور زور زور سے قدم اٹھانا اور نزدیک نزدیک قدم رکھنا، اس میں دوڑنا نہیں ہے، لیکن مونڈھوں کو اس طرح ہلاتے ہوئے چلنا ہے، جیسے بہادر میدانِ جنگ میں چلتا ہے، طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا سنت موکدہ ہے، اضطباع اور رمل دونوں مردوں کے لیے سنت ہیں، عورتوں کے لیے نہیں۔

طواف کے دوران میں ہر شوط کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینا مسنون ہے، اگر شدید ہجوم ہو تو حجر اسود کو ہاتھ سے چھو کر ہاتھ چوم لے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو چھڑی یا کسی چیز سے حجر اسود کو چھو کر اس چیز کو چوم لے، اگر ایسا کرنا بھی دشوار ہو تو دونوں ہاتھوں کو حجر اسود کے بالمقابل اٹھا کر ہاتھوں کو چوم لینے پر اکتفا کرے، لیکن بوسہ دینے کے لیے کسی زائر کو اذیت نہ پہنچائے، کیوں کہ حجر اسود کو بوسہ دینا مسنون ہے، لیکن کسی مسلمان کو اذیت دینا ناجائز ہے۔

طواف کی ابتدا حجر اسود سے ہوتی ہے اور اختتام بھی وہیں پر ہوتا ہے، حجر اسود سے طواف شروع کر کے حجر اسود تک پہنچنے پر ایک شوط (یا ایک چکر) کہلاتا ہے۔

ہر شوط کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے اور ہاتھ کو بوسہ دینے کا وہی عمل کرے، جو پہلے کیا تھا، جب سات شوط مکمل کر لے تو آٹھویں بار پھر حجر اسود کا استلام (بوسہ دینے کا عمل) اس طرح کرے، جس طرح پہلی شوط پر کیا تھا، اب طواف مکمل ہو گیا، تکمیل طواف کے بعد امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دو رکعت نماز پڑھنا واجب ہے، البتہ یہ نماز مقام ابراہیم کے پیچھے ادا کرنا افضل ہے، پیچھے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نمازی مقام ابراہیم اور بیت اللہ کے درمیان آجائے، بھیڑ کی وجہ سے اگر مقام ابراہیم کے پیچھے جگہ نہ ملے تو حرم مکہ میں جس جگہ چاہے پڑھ لے، واجب ادا ہو جائے گا، نماز کے بعد مختصر دعا کرے، پھر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے پیٹ بھر زم زم کا پانی پیئے، اس کے بعد سعی کے لیے مسعیٰ میں آجائے۔

صفا و مروہ کے درمیان مخصوص طریقے سے سات چکر لگانے کا نام سعی ہے، صفا اور مروہ کی درمیانی پٹی کو جس پر سعی کی جاتی ہے، مسعیٰ کہا جاتا ہے۔

مسعیٰ میں آ کر قبلہ رخ کھڑا ہو کر سعی کی نیت کرے کہ باری تعالیٰ میں تیری خوش نودی کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگانے کا ارادہ کرتا ہوں، تو اس کو میرے لیے آسان کر دے اور اسے قبول فرما، یہ نیت دل میں کرنا کافی ہے، مگر زبان سے بھی کہہ دیا تو افضل ہے، پھر دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے جیسے دعا میں اٹھائے جاتے ہیں اور بلند آواز میں تکبیر و تہلیل کرے اور آہستہ سے درود شریف پڑھے اور خشوع و خضوع کے ساتھ دعا کرے کہ یہ بھی قبولیت دعا کا مقام ہے، پھر صفا سے سعی شروع کرے اور مروہ تک جائے، لیکن درمیان میں جب میلین اخضرین پر پہنچے تو رفتار تیز کر دے، پھر اپنی رفتار سے

مروہ تک آئے، یہاں ایک شوط یا ایک چکر پورا ہوگیا، پھر مروہ سے صفا تک آئے اور میلین اخضرین میں رفتار تیز کر دے، پھر اپنی رفتار سے صفا پر پہنچے، اب دو شوط ہو گئے، اس طرح سات شوط لگائے، ساتواں شوط مروہ پر پورا ہو جائے گا، اس کے بعد دعا کرے، پھر دو رکعت نماز ادا کرے، اس کے بعد اگر حج تمتع کی نیت کی ہے تو حلق یا قصر کرا کے احرام کھول دے ــــ (۷۹)

یہ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ طواف کے دوران میں کچھ تو اپنی ناتوانی اور زیادہ تر شدید ہجوم کے باعث نہ تو حجر اسود تک رسائی ہو سکی، نہ مقام ابراہیم تک پہنچ سکا اور نہ حطیم اور میزاب رحمت تک جا سکا، طواف سے فارغ ہو کر مسجد کے ایک گوشے میں دو رکعت نماز پڑھی، دعائیں کیں اور آب زم زم پی کر مسعیٰ میں آ گیا، اور صفا اور مروہ کے درمیان سات چکر لگائے اور مسجد حرام سے باہر نکل کر حلق کرایا اور اپنی رہائش گاہ میں آ کر جامعہ احرام اتار دیا، عمرہ کرنے کے بعد قدرے اطمینان ہوا کہ مناسک کی پہلی مہم تو سر کر لی۔

یہ دنیا دارالاسباب ہے، یہاں بلند عزم و ہمت اور مستحکم جہد و عمل کے بغیر کوئی دشوار کام آسان نہیں ہوتا؛ لیکن انسان کے اندر جہد و عمل کا جذبہ، توفیق الٰہی اور مشیت ایزدی سے پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و احسان ہے کہ اس نے ناچیز جیسے بیمار و ناتواں کے لیے اعمال عمرہ کو آسان بنا دیا۔

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضان محبت عام سہی، عرفانِ محبت عام نہیں

ــــ (جگر مرادآبادی)

۱۴/ اگست کی صبح کو جب حرم میں اذانِ فجر کی دل نشیں آواز سنائی دینے لگی، تو ایسا محسوس ہوا کہ کوئی سرشارِ عرفانِ الٰہی ''مضراب حق'' سے ساز عقیدت پر جلالِ وحدانیت کے طرب انگیز نغمے چھیڑ رہا ہے اور بحر و برگوش برآواز ہیں، فرشتے سرزمین قدس پر ایمان و یقین کے جلوے لٹا رہے ہیں اور بندگانِ خدا انہیں اپنے درمانِ قلب و نگاہ میں سمیٹ رہے ہیں، ان کیف آگیں لمحات کی کسی قدر عکاسی مولانا ماہر القادری مرحوم کی نظم ''نغمۂ حرم'' کے درج ذیل اشعار سے ہوتی ہے :

حرم میں اذانِ سحر اللہ اللہ ❁ کہ ہیں وجد میں بحر و بر اللہ اللہ
دھڑکتے ہوئے دل کا لے کر سہارا ❁ مناجات با چشم تر اللہ اللہ
تصور بھی ہے ایک زندہ حقیقت ❁ تخیل بھی ہے معتبر اللہ اللہ
جلالِ الٰہی کی تابندگی میں ❁ جھلکتے ہوئے بام و در اللہ اللہ (۸۰)

حجاج کرام کی بے انتہا بھیڑ میں تقریباً ۱۰/ کیلو میٹر کے فاصلے پر مسجد حرام میں حاضر ہو کر نماز پنج گانہ ادا کرنا، وہ بھی مکہ مکرمہ کی چلچلاتی دھوپ اور شدید گرمی میں بڑے سے بڑے صحت مندوں کے بس کی بات نہیں تھی، ناچیز جیسے مریض ناتواں کی

وہاں تک رسائی کہاں ہوسکتی تھی؟ لیکن اللہ تعالیٰ کا ہزار احسان ہے کہ عزیزیہ کا حلقہ حدودِ حرم میں پڑتا ہے، اور حدودِ حرم میں جہاں بھی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے، ایک نماز کا اجر ایک لاکھ نماز کے برابر ہے، چنانچہ عزیزیہ میں ٹھہرے ہوئے حجاج کرام اکثر وبیش تر اپنی اپنی بلڈنگ کے ہال میں نماز باجماعت ادا کرتے تھے، ناچیز بھی کبھی نیچے کی منزل کے ہال میں اور کبھی اپنے روم میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتا رہا۔

بہر حال ۱۴/اگست کا پورا دن تکان اور تھکاوٹ کی نذر ہوگیا، البتہ اس روز ہمارے گروپ نے کھانا پکا کر اپنے کھانے کا انتظام کرلیا، معلم کی طرف سے گیس سلنڈر مل گیا، چاول، دال وغیرہ کے ساتھ کھانا پکانے کے دیگر لوازمات ہم وطن سے اپنے ساتھ لائے تھے، ہمارے گروپ میں دو عورتیں بھی تھیں، جن میں ماسٹر محمد کوثر صاحب (مغربی چمپارن) کی بیگم شیدا خاتون صاحبہ جو اپنے شوہر کے ساتھ حج کے لیے آئی تھیں، بڑی مخلص اور سلیقہ مند خاتون تھیں، ایام حج سے پہلے اور ایام حج کے بعد جتنے دن ہم مکہ مکرمہ میں رہے، شیدا خاتون صاحبہ دونوں وقت تازہ کھانا پکا کر کھلاتی رہیں، لیکن مدینہ منورہ میں کھانا پکانے کی سہولت نہیں تھی، وہاں کے ہوٹلوں میں عموماً بریانی اور تندوری روٹی کے ساتھ سالن میں گوشت ملتا تھا اور یہ چیزیں میرے لیے نقصان دہ تھیں، اس لیے میں نے وہاں چورا دہی، کبھی کیلے، یا سیب، یا بسکٹ پر اکتفا کرلیا، کبھی کبھار کسی ہوٹل میں سادہ چاول اور چنے کی دال مل جاتی تو میں ہوٹل میں کھانا کھالیتا، اس کے باوجود مدینہ منورہ میں جو سکونِ دل رہا، ایسا سکون زندگی میں کبھی میسر آئے گا، یا نہیں؟ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

المولد النبی :

۲۱/ذی قعدہ ۱۴۳۸ھ (۵/اگست ۲۰۱۷ء) کو تقریباً ساڑھے سات بجے صبح میں مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب ناچیز کو مکہ مکرمہ کے اس متبرک مقام پر لے گئے، جسے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے، وہ مقام، مروہ کے مقابل، شعب ابی طالب کے قریب ہے، شعب ابی طالب کے آس پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قبیلہ بنو ہاشم آباد تھا، آپ ﷺ کے مقام پیدائش پر خلیفہ ہارون رشید (۱۹۳ھ) کی والدہ خیزران نے ایک مسجد تعمیر کرادی تھی، لیکن ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۰ء) میں شیخ عباس قطان نے مسجد کو منہدم کراکے اس جگہ پر ایک لائبریری تعمیر کرادی، یہ لائبریری مسجد حرام کے مشرقی صحن سے متصل لب شارع (سڑک) ہے، اس پر "مکتبۃ المکۃ المکرمۃ" کا بورڈ لگا ہوا ہے، لائبریری کی وہ دیوار جو مین روڈ کی طرف ہے، اس پر لکھا ہوا ہے کہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا کہ اس مقام پر رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی تھی، لیکن تاریخ مکہ مکرمہ کے مولف ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی نے اخبار مکہ للازرقی، اخبار مکہ للنا کہی، الجامع اللطیف اور فضائل مکۃ المکرمہ کے حوالے سے لائبریری کی اسی جگہ کو رسول اللہ ﷺ کی جائے پیدائش قرار دیا ہے۔ (۸۱)

حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ نے بھی اسی لائبریری کے مقام کو مولد نبی ﷺ قرار دیا ہے، مولانا لکھتے ہیں:

’’(مولد نبوی) محلہ غزہ سے متصل سوق اللیل میں ایک مکان کی صورت میں باقی ہے، اب اس میں مکہ مکرمہ کی لائبریری ہے، اس کے مشرقی پہلو پر پہاڑ ہے۔‘‘ (۸۲)

لائبریری بند تھی، ابھی کھلنے کا وقت نہیں ہوا تھا، اس لیے ہم لائبریری میں نہیں جاسکے، ویسے بھی ایام حج میں مکہ مکرمہ کے تمام علمی وثقافتی ادارے بند رہتے ہیں۔

مقبرۃ المعلی :

سعودی وقت کے مطابق صبح کو ۷ ربج کر ۳۵ رمنٹ پر ہم مکہ مکرمہ کی مشہور قبرستان مقبرۃ المعلی میں پہنچے، اسے عرف عام میں جنت المعلی کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد الیاس عبدالغنی لکھتے ہیں :

’’یہ ’’مقبرہ‘‘ مکہ مکرمہ کی تاریخی مقامات میں سے ایک ہے، جو مسجد حرام کی مشرقی جانب ایک پہاڑی کی گھاٹی میں واقع ہے، فاکہی کہتے ہیں کہ مکہ مکرمہ کے پہاڑوں کی گھاٹیوں کا طبعی رخ ٹھیک قبلہ کی طرف نہیں ہے، سوائے مقبرۃ المعلاۃ کی اس گھاٹی کے، کہ اس کا رخ مستقیم سے قبلے کی طرف ہے۔‘‘

’’اس مقبرے کی فضیلت میں کچھ روایات، کتب حدیث میں مذکور ہیں، جن میں ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا: ’’یہ قبرستان کیا ہی اچھا ہے‘‘۔ (حدیث حسن)۔۔۔(۸۳)

اسی قبرستان میں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا (وفات ۱۰ رنبوی) سیدنا قاسم بن محمد ﷺ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم (وفات ۶۱ھ) جیسے اور بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم مدفون ہیں، ان کے علاوہ ابوالقاسم قیشریؒ، خواجہ عثمان ہارونیؒ، (شیخ حضرت خواجہ اجمیریؒ) امام عبداللہ بن احمد نسفیؒ، (وفات ۱۰۷ھ) اور مرشد دوراں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ وغیرہم جیسی اہم دینی وعلمی شخصیات اسی قبرستان میں پیوند خاک ہیں۔ (۸۴)

مدرسہ صولتیہ :

۱۷ راگست کو تقریباً ۹ ربجے صبح کے وقت ہم مدرسہ صولتیہ پہنچے تھے، ہندوستان کے ایک مشہور عالم دین اور مناظر اسلام مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ (مظفر نگر، یوپی) نے ۱۸۵۷ء سے قبل ایک مشہور دشمن اسلام پادری فنڈر کو میدان مناظرہ میں شکست فاش دی، جس کی وجہ سے وہ برطانیہ گورنمنٹ کی نگاہ میں معتوب ہوگئے، حالات سے مجبور ہوکر وہ ہجرت کرکے مکہ مکرمہ چلے آئے اور کلکتہ کی ایک فیاض اور نیک خاتون صولت النساء بیگم کے مالی تعاون سے انہوں نے ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ء) میں مکہ مکرمہ میں مدرسہ صولتیہ کی بنیاد ڈالی، بہ قول مولانا عبدالماجد دریابادیؒ (۱۸۹۲ء-۱۹۷۷ء) سرزمین عرب پر ہندوستانیوں کی قائم کی ہوئی وہ سب سے پرانی درس گاہ ہے، یہ مدرسہ اپنے قیام کے روز اول سے آج تک مکہ مکرمہ میں دینی، علمی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہا ہے۔ (۸۵)

جب ہم مدرسہ صولتیہ پہنچے تو مدرسہ کے ایک دالان میں ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، وضع قطع سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ مدرسہ کے کوئی ذمہ دار، ناظم ہوں گے، یا انچارج ناظم، ہم نے سلام کیا، تو انہوں نے بے اعتنائی سے جواب دیا، انہوں نے ہم سے نہ بیٹھنے کے لیے کہا اور نہ یہ پوچھا کہ ہم کہاں سے آئے ہیں؟ ان کے انداز بے رخی سے احساس لطیف کو سخت ٹھیس لگی۔

مولانا حبیب الرحمن قاسمی صاحب ان کے گروپ کے حاجیوں کو قربانی کرانے کے لیے مدرسہ صولتیہ میں رقم جمع کرانا تھی، مدرسہ کے منشی سے مل کر قاسمی صاحب نے قربانی کی رقم جمع کردی، مدرسہ بند تھا، اس لیے مدرسہ کے اساتذہ اور طلبہ سے ملاقات نہیں ہوسکی، وہاں سے واپس ہوکر ہم لوگ اپنی اپنی رہایش پر آگئے۔

مسجد تنعیم :

ناچیز مولانا حبیب الرحمن قاسمی کے ہم راہ دوسرا عمرہ ۱۶، یا ۱۸، ۱۹/ اگست کی کسی تاریخ کو کیا تھا، مسجد تنعیم جا کر احرام باندھا، کیوں کہ مکہ میں رہنے والوں کے لیے ''مسجد تنعیم'' میقات ہے، اس مسجد کا دوسرا نام مسجد عائشہؓ بھی ہے، یہ ''مسجد حرام'' سے جانب شمال میں ۵، ۷ رکیلو میٹر کے فاصلے پر ہے، حدود حرم مکہ میں سب سے نزدیک یہی حد حرم ہے۔ ۹ھ میں حج وداع کے موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جس مقام پر عمرہ کے احرام کی نیت کی تھی، اسی مقام پر مسجد تنعیم تعمیر ہوئی ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایام عذر میں تھیں کہ آپؓ نے سارے ارکان و مناسک حج ادا کئے، صرف طواف نہ کرسکیں، جب عذر جاتا رہا، تب آپؓ نے طواف کیا اور حضور ﷺ سے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! آپ ﷺ نے حج اور عمرہ دونوں ادا فرمائے اور میں صرف حج ہی کرسکی، تب آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کو حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ کے ساتھ تنعیم جاؤ، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کے ساتھ تنعیم گئیں اور حج کے بعد ماہِ ذی الحجہ ہی میں وہاں سے احرام باندھ کر عمرہ ادا فرمایا۔ (۸۶)

فی الوقت مسجد تنعیم کا کل رقبہ مع ملحقات ۸۴۵۰۰ مربع میٹر ہے، مسجد کی نئی توسیع شاہ فہد کے دور میں ہوئی، تعمیر تقریباً ایک کروڑ ریال کی لاگت سے مکمل ہوئی، مسجد کی تعمیر چھ ہزار مربع میٹر پر مشتمل ہے، مسجد میں پندرہ ہزار نمازیوں کی گنجایش ہے۔ (۸۷)

۲۷/ ذی قعدہ (۲۱/ اگست) کو صبح کے ناشتے سے فارغ ہوکر ہم چند عازمین حج نے کرائے کی ایک بس سے مکہ مکرمہ کے چند مخصوص مقامات کی زیارت کی، مولانا حبیب الرحمن قاسمی ہمارے ہم راہ تھے، یہ ان کا دوسرا حج تھا، اس لیے وہ ان مقامات سے واقف تھے، ہماری بس ساڑھے چھ بجے صبح کو جبل ثور کے آس پاس آکر رکی، ہم بس سے اترے اور جبل ثور کا مشاہدہ کیا۔

جبل ثور :

مسجد حرام سے یہ پہاڑ جنوب کی طرف چار کیلو میٹر کی دوری پر ہے، سطح سمندر سے اس کی اونچائی ۷۴۸ میٹر اور سطح

زمین سے ۴۵۸ میٹر ہے، غار کی اندرونی بلندی ۱۰۲۵ میٹر اور طول وعرض 3.5 x 3.5 میٹر ہے، غار کے دو دہانے (دروازے) ہیں، ایک مغرب کی جانب ہے، یہ دہانہ ذرا تنگ تھا، اس لیے اس دہانے سے لیٹ کر غار میں جانا پڑتا ہے، اسی دہانے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار میں داخل ہوئے تھے، اب اس دہانے کو بھی وسیع کر دیا گیا ہے۔

غار کا دوسرا دہانہ مشرقی جانب ہے، یہ مغربی دہانے سے کشادہ ہے، یہ غار پہاڑ کی چوٹی سے ذرا نیچے ہے، اس غار تک پہنچنے میں ڈیڑھ گھنٹہ لگتا ہے۔(۸۸) ہجرت کے سفر میں دشمنوں کے خوف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس غار میں تین راتیں گذاریں، جب دشمنوں کا خوف جاتا رہا تو عبداللہ بن اریقط راستے کی رہ نمائی کے لے دو اونٹنیوں کے ساتھ جبل ثور کے پاس آیا، ایک اونٹنی پر رسول اللہ ﷺ سوار ہوئے اور دوسری سواری پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور ان کے پیچھے ان کے آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہؓ سوار ہوئے اور عبداللہ بن اریقط اپنی اونٹنی پر سوار ہوا اور عام راستے سے الگ دوسرے راستے سے اس نے اس قافلۂ ہجرت کو مدینہ پہنچایا، اس طرح رسول اللہ ﷺ کا سفر ہجرت مکمل ہوا۔(۸۹)

منیٰ :

جبل ثور سے ہمارا قافلہ منیٰ پہنچا، وہاں حاجیوں کے قیام کے لیے خیمے نصب کیے جا رہے تھے۔

منیٰ کے لغوی معنی خون بہانے کے آتے ہیں، یہاں عید الاضحیٰ کے ایام میں قربانیاں کی جاتی ہیں اور جانوروں کا خون بہتا ہے، اسی کے لیے اس کو منیٰ کہا جاتا ہے، یہ مقام مکہ اور مزدلفہ کے درمیان مسجد حرام سے مشرق کی طرف ۷ کیلومیٹر کے فاصلے پر ہے، یہ حدود حرم میں داخل ہے، اسی مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے عزیز بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا، یہاں تین جگہ شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بہکایا تھا، انہیں تین جگہوں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شیطان کو کنکریاں ماریں، ان تینوں جگہوں پر ایام حج میں بہ طور یادگار کنکریاں ماری جاتی ہیں۔(۹۰)

شعائر حج کے لیے منیٰ میں حجاج آٹھویں ذی الحجہ کی صبح سے آنا شروع کر دیتے ہیں اور یہیں پر بارہویں اور تیرہویں تک ارکان حج ختم ہو جاتے ہیں۔ منیٰ دراصل غیر آباد جگہ ہے، لیکن یہ تین چار دنوں تک خوب آباد رہتی ہے۔

مزدلفہ :

منیٰ سے ہماری بس مزدلفہ پہنچی، یہ مقام عرفات اور منیٰ کے درمیان واقع ہے۔ ''مزدلفہ'' از دلاف سے مشتق ہے، جس کے معنی قریب ہونے کے آتے ہیں، زمین پر اترنے کے بعد حضرت آدم اور حوا علیہما السلام اسی مقام پر ایک دوسرے کے قریب ہوئے تھے، اسی مناسبت سے اس مقام کو مزدلفہ کہا جاتا ہے۔

مزدلفہ مشعر ہے اور حدود حرم میں داخل ہے، اس کا طول چار کیلومیٹر اور رقبہ ۱۲،۲۵ کیلومیٹر مربع ہے۔(۹۱) عرفات سے یہاں حجاج ۱۰/ذی الحجہ کی رات میں پہنچتے ہیں، یہاں پہنچ کر مغرب اور عشا کی نماز، عشا کے وقت میں ادا کرتے ہیں۔

عرفات :

مزدلفہ سے ہم عرفات پہنچے، عرفہ کے معنیٰ پہچاننے کے آتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ آدم اور حوا علیہما السلام جنت سے زمین پر اترے، تو ایک دوسرے سے بہت دور تھے، عرفات پہنچ کر انہوں نے ایک دوسرے کو پہچانا، اس مناسبت سے اس مقام کو عرفات کہا جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو احکام حج سکھائے اور یہاں آکر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا حل عرفت؟ کیا آپ نے متعلقہ احکام ومقامات کو پہچان لیا؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اثبات میں جواب دیا، حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں، اسی وجہ سے اس مقام کو عرفات کہا جانے لگا، ایک قول یہ بھی ہے کہ حجاج اپنے گناہوں کا اعتراف کرکے اس مقام پر توبہ واستغفار کرتے ہیں، اس لیے اس کو عرفات کہا جاتا ہے، عرفات مشعر ہے، لیکن حدحرم سے خارج ہے، یہ مسجد حرام کے مشرق میں ۲۲ کلومیٹر کے فاصلے پر ہے، اس کا کل رقبہ ۱۰۴ کلومیٹر مربع زمین پر مشتمل ہے، یہاں سے حجاج ۹/ذی الحجہ کو جمع ہوتے ہیں اور ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر کی نماز جماعت سے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ (۹۲)

اس میدان میں شمالی جانب جبل رحمت ہے، جس کے پاس رسول اللہ ﷺ نے عرفہ کے دن کھڑے ہوکر اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیں، ہماری بس تقریباً ۷/بجے صبح میں عرفات میں جبل رحمت کے پاس پہنچی تھی، یہاں ہم نے کچی کھجوریں خرید کر کھائیں اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے رنگین اور خوب صورت نقشے خریدے۔

—(جاری)

مآخذ اور حواشی :

(۷۰) مولانا مفتی محمد شفیع معارف القرآن جلد اول، ادارہ اشرفی دیوبند، ص: ۲۸، ۲۹۔
(۷۱) علامہ ابن الھمام فتح القدیر الجلد الثالث، دار الفکر بیروت، ص: ۱۴۰۔
(۷۲) حوالہ بالا، ص: ۱۴۰، ۱۴۱۔
(۷۳) حوالہ بالا، ص: ۱۴۰۔
(۷۴) حوالہ بالا، ص: ۱۴۰، ۱۴۱۔
(۷۵) حوالہ بالا، ص: ۱۴۱۔
(۷۶) حوالہ بالا، ص: ۱۴۱۔
(۷۷) عبدالرحمن جزیزی الفقہ علی المذاہب الاربعہ الجزء الاول المکتبۃ العصریۃ، بیروت، ص: ۳۸۰۔
(۷۸) علامہ ابن الھمام فتح القدیر الجلد الثانی، زکریا بک ڈپو دیوبند، ص: ۴۵۷۔
(۷۹) مولانا مفتی محمد شفیع جواہر الفقہ، جلد اول، زکریا بک ڈپو دیوبند، ص: ۱۱۷/تا ۱۲۸۔

(۸۰) ماہر القادری، ماہ نامہ فاروق کراچی، ماہر القادری نمبر شمارہ، دسمبر ۱۹۷۸ء ص: ۱۳۴۔

(۸۱) ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی تاریخ مکہ مکرمہ مطابع الرشید المدینۃ المنورۃ ص: ۱۳۳/تا ۱۳۴۔

(۸۲) مولانا محمد رابع ندوی جزیرۃ العرب مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنو ص: ۲۳۰، ۲۳۱ "مکتبۃ المکۃ المکرمۃ" سوق اللیل ہی میں پڑتا ہے، اس لیے ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی اور مولانا محمد رابع ندوی کے بیان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

(۸۳) ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی تاریخ مکہ مکرمہ مطابع الرشید المدینۃ المنورۃ ص: ۱۵۹ بحوالہ اخبار مکہ للفاکہی ج: ۴ ص: ۲۷، حاشیہ کے ساتھ اخبار مکہ للازرقی، ج: ۲ ص: ۲۰۳ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ "یہ قبرستان کتنا ہی اچھا ہے" مسند احمد (ت: ارووط) کے حوالے سے حدیث: ۳۴۷۲ ہے، یہ حدیث مجمع الزوائد، ج: ۲ کے ص: ۲۹۷ پر بھی درج ہے۔ تاریخ مکہ مکرمہ ص: ۲۹۷۔

(۸۴) مولانا عبد الماجد دریابادیؒ سفر حجاز دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ ص: ۲۹۸، ۲۹۹۔

(۸۵) حوالہ بالا ص: ۳۱۱۔

(۸۶) ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی تاریخ مکہ مکرمہ مطابع الرشید المدینۃ المنورۃ ص: ۱۶ بحوالہ صحیح بخاری کتاب الحج، حدیث: ۱۸۵۷۔

(۸۷) حوالہ بالا ص: ۱۶۔

(۸۸) حوالہ بالا ص: ۱۴۵، ۱۴۶۔

(۸۹) مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ سیرۃ المصطفیٰ جلد اول کتب خانہ اعزازیہ دیوبند ص: ۴۰۰، ۴۰۱۔

(۹۰) ڈاکٹر محمد الیاس عبد الغنی تاریخ مکہ مکرمہ مطابع الرشید المدینۃ المنورۃ ص: ۱۱۳۔

(۹۱) حوالہ بالا ص: ۱۲۰۔

(۹۲) حوالہ بالا ص: ۱۲۵، ۱۲۶۔

* * * * * * * * * *

برائے مضمون نگار حضرات

- مجلہ "المجیب" کیلئے جو بھی مضامین ارسال کریں وہ خالص المجیب کے لئے ہو تا کہ مجلے کا معیار برقرار رہ سکے۔
- مضامین کمپوز کرا کر ارسال کریں۔
- مضمون کے پہلے یا آخری صفحہ پر اپنا پورا نام و پتہ ضرور لکھیں۔
- مضامین بھیجتے وقت اس کی نقل اپنے پاس رکھیں۔ مضامین گم ہونے کی صورت میں ادارے پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔

سرکولیشن منیجر

سرسید احمد خان

(پیدائش: ۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ء اور وفات: ۲۷/مارچ ۱۸۹۸ء)

● سید محمد نیر رضوی ــــ سی ۳، رحمان اپارٹمنٹ، نیو پارس ٹولی، ڈورنڈا، رانچی (جھارکھنڈ)

ثناخوان تقدیس مشرق کو یہ شکایت رہی ہے کہ ملت اسلامیہ کے بلند قامت رہنما، باوقار مصلح قوم، قابل قدر مصنف و مورخ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے بانی اور عظیم مفکر اسلام: سرسید احمد خان نے حکومت برطانیہ کی فتوحات کے زیر اثر نہ صرف کہ مغرب کی برتری کو تسلیم کرلیا تھا بلکہ وہ برطانوی حکومت کے مختلف قابل اعتراض امور کی حمایت بھی کررہے تھے اور المیہ یہ کہ اسے ہی مسلم تہذیب ومعاشرہ کے لئے ترقی کا معیار سمجھتے تھے۔ سرسید احمد خان کی قابل احترام شخصیت سے وابستہ اِس مخصوص الزام تراشی پر کسی معقول نتیجہ اخذ کرنے سے قبل بطور خاص عالمانہ اور محققانہ بحث کی ضرورت ہے کیونکہ یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سرسید احمد خان نے جب ہوش سنبھالا تو یہ محسوس کیا کہ ہندوستانی معاشرہ کشمکش کی ایک کربناک کیفیت سے گزر رہا ہے، یہاں ایک طرف مشرق پسند، روایت پسند، اور زوال آمادہ مسلم معاشرہ سسکیاں لے رہا ہے اور دوسری جانب برطانوی ظلم و استبداد کے باوجود سائنس اور ٹکنالاجی پر مبنی ایک ایسا جدید اور ترقی یافتہ مغرب پرست معاشرہ اُبھر کر سامنے آرہا ہے جو مؤثر طور پر دوسری قوموں پر مسلسل اثر انداز ہوتا جارہا ہے۔ ہندوستانی عوام بالخصوص ہندوستانی مسلمان انہی دونوں معاشروں کی کشمکش کے مابین زندگی گذارنے پر مجبور ہے۔ چنانچہ سرسید احمد خاں نے تعلیم وتربیت اور تہذیبی اقدار کی فطری طور پر موزوں ترین ترقی کے لئے عصر جدید میں ایسے موقف کو اختیار کرنے پر زور دیا جو ایک طرف تو مغرب کے زیر اثر سائنسی ایجادات پر مبنی ترقیات سے وابستہ ہوں اور دوسری جانب اس زوال پزیر اور روایت پسند مسلم معاشرہ، عصر رواں کے جدید تقاضوں سے ہم آہنگ بھی ہوں۔ سرسید دراصل مفکر تھے، وطن پرست تھے اور مصلح قوم بھی تھے جو اپنے علم اور وجدان کی بنیاد پر خود ساختہ خصوصی رہنما خطوط کے تحت ہندوستانی عوام اور بالخصوص مسلم معاشرہ کے مسائل کا موزوں ترین حل تلاش کررہے تھے۔ سرسید کے

سامنے صوبہ بنگال جو سب سے پہلے انگریزوں کے تسلط میں آیا، وہاں کے مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب رونما ہو چکے تھے۔ مسلمان یہاں سرکاری نوکریوں میں پچھڑتے جارہے تھے۔اُن کی معاشی ومعاشرتی زندگی عجیب کس مپرسی کا شکار ہو چکی تھی۔ سرسید حب الوطنی کے جذبہ سے سرشار تھے۔ان پر یہ الزام غلط ہے کہ وہ مغرب پرست تھے۔وہ مغرب پرست نہیں تھے بلکہ عقل و خرد کے تقاضوں کے پیش نظر حق پرست تھے۔اُن کی نگاہ میں اسلامی شریعت ہی مسلم معاشرہ میں اصلاح کی بنیاد بن سکتی ہے جہاں مسائل کے حل کے لئے اسلامی تعلیمات کا بہت بڑا رول ہوسکتا ہے۔مسلمانوں کی زوال پذیر معاشرتی زندگی، زوال آمادہ سماجی وتہذیبی اقدار اور اُن کی اقتصادی زبوں حالی کے ساتھ ساتھ ان کی ترقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کے مشاہدہ اور مطالعہ کے بعد سرسید کے ذہن میں یہ بات مکمل طور پر سما چکی تھی کہ مسلم سماج کی بہتر اصلاح اور ترقی کا ضامن انگریزوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک باوقار مصالحت ہے جو انہیں ان کی اصل منزل کی جانب ایک بہتر اور کامیاب راستہ پر گامزن کرسکتا ہے اور موجودہ صورت حال میں مصلحتاً یہی مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے۔

سرسید کے مخصوص نظریہ کے مطابق مسلمانوں کی باضابطہ ترقی اور اُن کے درمیان اس قابل قدر مصالحت کے بغیر مسلمانوں میں روشن خیالی ممکن نہیں! چنانچہ سرسید نے اس ضمن میں ایک ایسی پالیسی بنانے کی کوشش کی جس سے مسلمانوں کو حکومت برطانیہ کا وفادار بنایا جاسکے۔دوسری جانب یہاں حکومت برطانیہ بھی جہاں خود کو مستحکم کئے جاتی تھی وہیں ملک میں مسلسل بڑھتے ہوئے سیاسی اور سماجی انتشار کی وجہ سے اُسے بھی یہ خدشہ لاحق ہو چکا تھا کہ اب دشمنی کی بنیاد پر حکومت کرنا ممکن نہیں ہے۔سرسید کو یہ احساس مسلسل ستا رہا تھا کہ مسلمانوں کی معاشی اور اقتصادی حالت بد سے بدتر ہوتی جارہی ہے۔وہ سمجھتے تھے کہ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ حکومت وقت سے ان کی اس قدر دوریاں بڑھ چکی ہیں کہ وہ سرکاری نظام تعلیم اور دیگر مراعات سے مستفید ہونے میں کامیاب نہیں ہورہے ہیں۔لہٰذا حکومت اپنے مشن کے دوران ایک اہم فرقہ کی حمایت اور ہمدردیوں سے نہ صرف محروم ہوتی جارہی ہے بلکہ مسلمانوں کی جانب سے بدگمان بھی ہوتی جارہی ہے۔نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سیاسی بدامنی پھیل رہی ہے اور وہ تعلیمی، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے مسلسل پچھڑتے جارہے ہیں۔سرسید کے پیش نظر مسلمانوں کے مسائل بڑھتے ہی چلے جارہے تھے۔سرسید کا خیال تھا کہ اس کی اصل وجہ مسلمانوں میں تعلیم وتربیت کی کمی اور مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان باہمی اتحاد و اتفاق کا فقدان ہے۔ چنانچہ سرسید احمد خاں کا دور ایک نئے علم کلام کا مطالبہ کررہا تھا۔سرسید کی دو تصانیف ''التفسیر القرآن'' اور ''خطبات احمدیہ'' اسلام کے دفاع میں منظر عام پر آئیں جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرسید کا علم کلام اُن کی اجتہادی بصیرت پر منحصر ہے۔سرسید نے کبھی بھی مجتہد ہونے کا دعوی تو نہیں کیا مگر اُن کے پاس اجتہادی بصیرت تھی جس کی نوعیت، عصر رواں کے عام علمائے کرام سے بالکل جدا تھی۔سرسید کے زمانے میں سائنس اور مذہب کے درمیان تضاد وتصادم ایک اہم مسئلہ تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان میں اتحاد و اتفاق کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔مگر سرسید

نے حق بجانب اقدامات کرتے ہوئے اسلام کو ایک فطری مذہب قرار دیا اور کلام الٰہی کی تفسیر، قوانین فطرت کی روشنی میں بیان کی۔ اس طرح سائنسی علوم اور سائنسی مزاج ومنہاجیات پر بحث ومباحثہ کا جو دروازہ تقریباً بند ہو چکا تھا وہ اب کھلنے لگا تھا۔ غرض سرسید احمد خاں کے افکار ونظریات کو تفصیل سے سمجھنے کے لئے متذکرہ مشمولات اور دیگر تمام جہات کے پیش نظر تفصیلی بحث و تمحیص کی ضرورت ہے۔

سرسید احمد خان کی پیدائش آج سے دو صدی قبل ۱۷/اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں اپنے نانا خواجہ فرید الدین کی حویلی، سرائے بہرم خاں کوچہ سعد اللہ، دریا گنج علاقہ میں ہوئی۔ آپ کے آباو اجداد شاہجہاں کے عہد میں ہرات سے ہندوستان آئے تھے اور یہاں دربار مغلیہ سے منسلک ہو گئے تھے۔ آپ کے دادا سید ہادی، عالمگیر ثانی کے دربار میں اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ آپ کے نانا خواجہ فرید الدین احمد خان، اکبر شاہ ثانی کے دربار میں وزیر کے عہدہ پر فائز تھے۔ آپ کے والد میر متقی بھی اکبر شاہ کے دربار سے وابستہ رہے اور اکثر وبیشتر سرسید کو دربار لے جاتے تھے۔ آپ کی والدہ عزیز النساء نہایت متقی اور پرہیز گار خاتون تھیں۔ والد میر متقی سلسلہ نقشبندیہ کے بزرگ شاہ غلام علیؒ سے بیعت تھے جو مظہر جان جاناں کی خانقاہ کے سجادہ نشیں تھے۔ پیر طریقت شاہ غلام علیؒ نے سرسید کی ''بسم اللہ'' خوانی کرائی۔ اُنہوں نے ہی ''سید احمد'' نام رکھا۔ سرسید کے گھر کا ماحول مذہبی تھا۔ والدہ عزیز النساء نے سرسید کی پرورش و پرداخت، تعلیم وتربیت اور کردار سازی میں کچھ اس طرح اپنا اہم کردار ادا کیا کہ سید ''سرسید'' بن گئے چنانچہ سرسید اپنی آپ بیتی میں کہتے ہیں:

''جس زمانے میں میری عمر گیارہ برس کی تھی، میں نے ایک نوکر کو جو بہت پرانا اور بڈھا تھا کسی بات پر تھپڑ مارا۔ جس وقت میری والدہ کو خبر ہوئی اور تھوڑی دیر کے بعد میں گھر میں گیا تو میری والدہ نے ناراض ہو کر کہا کہ اس کو گھر سے نکال دو جہاں اس کا دل چاہے چلا جائے۔ یہ گھر میں رہنے کے لائق نہیں رہا۔ چنانچہ ایک ماما میرا ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر لے گئی اور باہر سڑک پر چھوڑ دیا۔ اُسی وقت ایک ماما دوسرے گھر سے یعنی میری خالہ کے گھر سے جو قریب تھا نکلی اور مجھ کو میری خالہ کے گھر میں لے گئی''۔

سرسید آگے فرماتے ہیں کہ:

''تین دن بعد میری خالہ، جن کو میں آپا کہا کرتا تھا میری والدہ کے پاس قصور معاف کرانے کے واسطے لے گئیں۔ اُنہوں نے کہا اگر اس نوکر سے قصور معاف کرا لے تو میں معاف کر دوں گی۔ وہ نوکر ڈیوڑھی پر بلایا گیا۔ میں نے اُس کے آگے ہاتھ جوڑے۔ جب تقصیر معاف ہوئی۔ بلاشبہ ایک ماں ہزار اُستادوں سے بہتر ہے''۔

سرسید کے زمانہ میں دہلی میں حصول علم کے دو بڑے مراکز تھے۔ ایک شاہ عبد العزیز کا مدرسہ اور دوسرا شاہ غلام علی کی خانقاہ، خانقاہ نقشبندیہ۔ سرسید نے ان دونوں مراکز سے فیض حاصل کیا۔ قرآن مجید اور احادیث کے ساتھ ساتھ فارسی اور عربی کی

تقریباً تمام درسی کتب کا بھی مطالعہ کیا۔ ریاضی کی تعلیم اپنے ماموں زین العابدین اور طب کی تعلیم حکیم غلام حیدر سے حاصل کی۔ محض سترہ سال کی عمر سے اخباروں میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ اُن کے بڑے بھائی سید محمدؒ ''سید الاخبار'' نکالتے تھے۔ سرسید نے اسی اخبار میں لکھنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ سیاست اور صحافت کا شوق بڑھتا چلا گیا۔ اُنہوں نے اسلامی تعلیمات، دینیات، تاریخ، قانون، فارسی اور عربی ادب کا نہایت سنجیدگی سے مطالعہ کیا اور محض ۲۶ رسال کی عمر میں رسالہ ''جلاء القلوب بذکر المحبوب'' تحریر کیا جو سیرت کے موضوع پر مروّجہ روایات سے ہٹ کر نہایت مستند اور معتبر روایات کے پیش نظر ایک ''میلاد نامہ'' ہے۔

۱۸۳۸ء میں آپ کے والد کا انتقال ہو گیا۔ اُس وقت اُن کے خالو خلیل اللہ خان صدر امین دہلی تھے۔ جہاں وہ سررشتہ دار ملازم مقرر ہوئے۔ پھر آگرہ کے کمشنر کے دفتر میں نائب منشی ہوئے۔ ۱۸۴۱ء میں منصفی کا امتحان پاس کیا اور ضلع مین پوری میں جج بن گئے۔ پھر ترقی کرتے ہوئے کئی مقامات پر ''جج اسمال کاز'' یعنی ''منصف عدالت خفیہ'' مقرر ہوئے مگر اپنے مقدس مشن کی تکمیل کی خاطر ۱۸۷۶ء میں جاہ و اقتدار کے اس باوقار منصب کو ٹھکرا دیا اور ملازمت سے علیحدگی اختیار کر علی گڑھ میں مقیم ہو گئے۔

آپ کا اسم گرامی سید احمد ہے۔ حکومت نے ان کو ''سر'' کا خطاب دیا تھا جس کی وجہ سے وہ سید احمد سے ''سرسید احمد'' ہوئے اور ''خان'' کا خطاب انہیں خاندانی ورثے سے عطا ہوا تھا۔ اس طرح سید احمد، سرسید احمد خان سے مشہور ہوئے۔ اُنہوں نے ۱۸۵۹ء میں مراد آباد میں گلشن اسکول قایم کیا۔ ۱۸۶۴ء میں غازی پور میں وکٹوریہ اسکول قایم کیا۔ ۱۸۶۴ء میں ہی سائنٹفک سوسائٹی قایم کیا۔ ۱۸۶۷ء میں علی گڑھ میں محمڈن اینگلو اورینٹل اسکول قایم کیا۔ ۱۸۷۸ء میں امپریل کونسل کے ممبر نامزد ہوئے۔ ۱۸۸۲ء میں ایجوکیشن کمیشن کے رکن بنے۔ ۱۸۸۷ء میں پبلک سروس کمیشن کے رکن بنے۔ سرسید کے حالات زندگی کے مطالعہ کی بنیاد پر اُن کی شخصیت کی کئی پُر وقار حیثیتیں سامنے آتی ہیں جن میں تین حیثیتیں بہت اہم ہیں: بطور مؤرخ و مصنف، بطور مذہبی مصلح اور مفکر اسلام اور بطور مدبر اور رہنمائے قوم۔ سرسید نے بطور مصنف تاریخی اور مذہبی امور سے اپنی خصوصی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ آج دو صدی گزر جانے کے بعد بھی اُن کے افکار و نظریات کی معنویت اور اہمیت مکمل طور پر برقرار ہے۔ ذیل میں سرسید احمد خان کے نثری سرمایہ میں سے چند ایسی تصنیفات و تالیفات کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے جن سے سرسید کے تعلیمی افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ اُن کی شخصیت کے تقریباً تمام اہم پہلوؤں کی عکاسی بھی ہو جاتی ہے۔

(۱) جلاء القلوب بذکر المحبوب :

سرسید احمد خان کی شاید یہ پہلی تصنیف ہے جو ایک رسالہ کی شکل میں منظر عام پر آئی۔ دراصل یہ سیرت کے موضوع پر ایک ''میلاد نامہ'' ہے جو مروّجہ روایات سے ہٹ کر معتبر روایات پر مبنی ہے۔ سرسید نے اس تصنیف کی تحریر کے لئے معتبر عالم دین، شاہ ولی اللہ دہلوی کی ''سرور المحزون'' اور شیخ عبد الحق محدّث دہلوی کی ''مدارج النبوت'' کو بطور ماخذ منتخب کیا۔

(۲) کلمۃ الحق :

یہ بھی ایک رسالہ ہے جس میں سلوک و طریقت کے مروّجہ اصولوں پر تنقیدی بحث کی گئی ہے۔

(۳) نمیقہ در بیان مسئلہ تصور شیخ :

یہ بھی ایک رسالہ ہے فارسی زبان میں جسے سرسید نے سلسلہ نقشبندیہ میں موجود تصور شیخ پر جامع بحث کرتے ہوئے شیخ کی وساطت کی تائید کی ہے۔

(۴) تبیین الکلام فی تفسیر التوراۃ والانجیل علیٰ ملۃ الاسلام :

سرسید کی یہ تصنیف تقابل مذاہب پر شاید پہلی باقاعدہ تصنیف ہے جس کا مقصد انگریزوں اور مسلمانوں کو قریب کرنا تھا۔ اس میں سرسید نے توریت وانجیل کی تفسیر پیش کرتے ہوئے اُن بیانات کو نمایاں کیا ہے جو قرآن واحادیث سے مماثلت ظاہر کرتے ہیں۔ بصورت اختلاف اُنہوں نے توجیہ بیان کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ سرسید کا یہ ایک عظیم علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے۔

(۵) رسالہ تحقیق لفظ نصاریٰ :

سرسید نے اس رسالہ میں لفظ نصاریٰ کو تحقیر کا لفظ نہ قرار دیتے ہوئے مذہب اسلام کے نقطہ نظر سے تعظیم کا لفظ قرار دیا ہے۔ اس رسالہ کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان دوریاں کم ہوئیں۔

(۶) خطبات احمدیہ :

ایک انگریز مصنف ولیم میور نے بعنوان ''لائف آف محمدؐ'' چار جلدوں میں شایع کی۔ یہ کتاب اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے ہوئے شہرت حاصل کر رہی تھی۔ نہ صرف اہل یورپ بلکہ کم عقل اور کمزور عقیدہ مسلمانوں کو بھی اسلام سے برگشتہ کر رہی تھی۔ چنانچہ سرسید نے اس کا رد کرتے ہوئے لندن میں اپنے قیام کے دوران اس کا مستند اور مدلل جواب تیار کیا جو ۱۲/ مقالوں پر مبنی ہے۔ یہ تصنیف سرسید کے عظیم مقاصد کی آئینہ دار ہے جسے اُنہوں نے انگریزی میں ترجمہ کرایا اور شایع کیا۔

(۷) تفسیر القرآن :

سرسید نے اپنے عقیدہ کے لحاظ سے قرآن کی تفسیر لکھنی شروع کی جس کا نام اُنہوں نے ''تفسیر القرآن وھوالھدیٰ والفرقان'' رکھا۔ مگر افسوس کہ وہ سولہویں پارہ کے سورہ طٰہٰ تک ہی تفسیر تحریر کر پائے۔ اس طرح یہ تفسیر نامکمل رہ گئی۔ خدا بخش لائبریری، پٹنہ نے اس نامکمل تفسیر کو سات جلدوں میں شایع کیا ہے۔

(۸) رسالہ ابطال غلامی :

سرسید نے اس تصنیف میں غلامی کو انسانی فطرت کے خلاف ثابت کرتے ہوئے اسلامی اقدار کے تناظر میں بھی غیر اسلامی قرار دیا ہے۔

(۹) النظر فی بعض مسائل الامام الھمام ابوحامد محمد غزالی :

مصنف نے اس میں امام غزالی کے بیان کردہ مسائل کا ترجمہ اور تبصرہ پیش کیا ہے۔

(۱۰) رسالہ علاج ہیضہ :

سرسید ہومیوپیتھی طریقہ علاج سے کافی متاثر تھے۔اُنہوں نے بنارس میں ایک ہومیوپیتھی اسپتال قایم کر اس طریقہ علاج کو فروغ بھی دیا۔اس زمانے میں ہیضہ ایک مہلک اور وبائی بیماری تھی جو عوام الناس کے لئے لقمہ اجل بنی ہوئی تھی۔ رفاہ عام کے واسطے سرسید نے اس رسالہ میں ہیضہ کے علاج کے سلسلہ میں ہومیوپیتھی طریقہ علاج پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

(۱۱) خلق الانسان علیٰ مافی القرآن :

مصنف نے اس ۱۳؍صفحات کے رسالہ میں انسان کی تخلیق کے سلسلہ میں عقل اور سائنس کے پیش نظر قرآن کی روشنی میں اپنا نظریہ پیش کیا ہے جو عام روایات اور روایت پسند مولویوں سے مختلف انداز نظر رکھتا ہے۔

(۱۲) جام جم :

سرسید کی یہ تصنیف جدول پر مبنی اپنی نوعیت کی شاید پہلی تصنیف ہے۔اِس میں مصنف نے ۱۳۹۸ء میں امیر تیمور سے ۱۸۳۷ء میں بہادر شاہ ظفر تک ۴۳؍ بادشاہوں کے حالات کو سترہ خانوں پر مشتمل جدول کی شکل میں تاریخی ترتیب کے ساتھ درج کیا ہے۔

(۱۳) آثار الصنادید :

سرسید کی اس شہرت یافتہ، چار ابواب اور ۵۸۳؍صفحات پر مشتمل تصنیف میں دہلی کی تاریخ اور یہاں کی تاریخی عمارتوں کی تفصیلات درج ہیں۔اس میں دہلی کی آب وہوا، زبان و بیان، تہذیب وتمیز اور یہاں کے ۱۱۷؍معاصر مشاہیر کا تذکرہ بھی موجود ہے۔یہ تصنیف سرسید کی محنت شاقہ کا نتیجہ ہے جس پر اُنہیں بہت سے اعزاز واکرام بھی حاصل ہوئے۔

(۱۴) سلسلۃ الملوک :

مصنف نے ۵۹؍صفحات پر مشتمل اپنی اِس تصنیف میں دہلی کے راجا یُدہشٹر سے ملکہ وکٹوریہ تک کے ۲۰۲؍فرماں رواؤں کی ایک فہرست مرتب کی ہے۔

(۱۵) تحفہ حسن :

شاہ عبدالعزیز دہلوی نے اہل تشیع کے عقاید کے رد میں ''تحفہ اثنا عشریہ'' فارسی میں تحریر کی جسے کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔سرسید نے اس تصنیف کے دسویں اور بارہویں باب کا اُردو ترجمہ کیا۔اُنہوں نے اس تصنیف کا نام اپنے اُستاد مولانا نورالحسن دہلوی کے نام کی مناسبت سے ''تحفہ حسن'' رکھا۔

(۱۶) آئین اکبری کی تصحیح واشاعت :

سرسید احمد خاں نہایت ذی علم اور مہذب انسان تھے۔اُنہوں نے اس تصنیف میں مشہور اسکالر ابوالفضل کی ''آئین اکبری'' میں جگہ جگہ تصحیح کی، تصاویر میں اضافہ کیا اور درج اصطلاحات کی سادہ وسلیس طریقہ سے آسان زبان میں وضاحت بھی کی ہے۔

(۱۷) رسالہ احکام طعام اہل کتاب :

سرسید نے ۹۰ رصفحات پر مشتمل اپنی اس تصنیف میں ثابت کیا ہے کہ یہود و نصاریٰ کا تیار کردہ کھانا قرآن و حدیث کی روشنی میں جائز ہے خواہ اُن کے یہاں جانوروں اور پرندوں کے ذبح کرنے کا جو بھی طریقہ رائج ہو۔

(۱۸) تزک جہانگیری کی تصحیح واشاعت :

سرسید نے اس تصنیف میں شہنشاہ جہانگیر کے روزنامہ ''تزک جہانگیری'' کی تصحیح کی ہے جسے غازی پور پریس نے شایع کیا۔

(۱۹) تاریخ سرکشی ضلع بجنور :

جدوجہد آزادی کا مشہور المناک واقعہ بنام بغاوت ۱۸۵۷ء جب واقع ہوا، اُس وقت سرسید بجنور میں قیام پذیر تھے۔ اُنہوں نے اُن تمام واقعات اور حالات کو یکجا کر قلم بند کر دیا جو اُن کے سامنے وقوع پذیر ہوئے۔

(۲۰) رسالہ بغاوت ہند :

سرسید کی اس تصنیف میں بغاوت ۱۸۵۷ء کے اسباب وعلل اور حالات کا مفصل بیان ہے۔ سرسید نے اس میں بغاوت ہند ۱۸۵۷ء کے لئے حکومت وقت کو بھی کسی حد تک ذمہ دار قرار دیا ہے۔

(۲۱) ڈاکٹر ہنٹر کی کتاب پر ریویو :

برطانیہ کے ڈاکٹر ہنٹر نے ایک کتاب ''آور انڈین مسلمان'' لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کہ مسلمان اپنے مذہب اسلام پر قایم رہتے ہوئے کبھی بھی حکومت برطانیہ کے وفادار نہیں ہو سکتے بلکہ وہ ہمیشہ حکومت برطانیہ سے بغاوت اور جہاد پر آمادہ رہیں گے۔ شاطر مصنف کی بدنیتی پر مشتمل اس کتاب کا مقصد دراصل مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو گمراہ کرنا تھا۔ سرسید نے اپنے اس رسالہ میں اس کتاب پر تاریخی اور مذہبی حقائق کے تناظر میں دلائل پر مبنی عالمانہ تبصرہ کرتے ہوے ڈاکٹر ہنٹر کے دعووں اور فریب کو مسترد کر دیا۔ سرسید نے اسے اُردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں شایع کیا جس کی وجہ سے ڈاکٹر ہنٹر کی بدنیتی کا راز افشاں ہوا۔

(۲۲) رسالہ لائل محمڈنز آف اِنڈیا :

سرسید کی اس تصنیف کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں سرسید نے اپنے حالات زندگی، خاندان اور خدمات اور اعزاز و اکرام کی تفصیلات درج کی ہیں۔ دوسرے حصہ میں مسلمان اور عیسائی کی باہمی رفاقت پر زور دیا ہے اور تیسرے حصہ میں بھی رفاقت کے اِسی پہلو کی توسیع کرتے ہوے اُن عہد و پیمان کو نمایاں کیا ہے جو عہد رسالت میں عیسائیوں اور محمد ﷺ کے درمیان کئے گئے تھے۔ سرسید نے اس کتاب میں ایسے ۲۲ رلوگوں کی تفصیلات بیان کی ہیں جنہوں نے حکومت برطانیہ کے ساتھ اپنی وفاداری کا اظہار کیا ہے۔

(۲۳) اُمہات المومنین :

سرسید احمد خان کی شاید یہ آخری تصنیف ہے جسے وہ اپنے انتقال کے ۹ روز قبل تک لکھتے رہے مگر صد حیف مکمل نہیں کر سکے۔ سرسید کی یہ کتاب ایک مشہور عیسائی مصنف کے اُن اعتراضات کے رد اور موزوں ومناسب ترین جواب میں ہے جو اُس بدبخت نے ازواج مطہرات پر کئے تھے۔

اس طرح سرسید کی پہلی تصنیف شان رسالت مآب ﷺ کے لئے تھی اور آخری تصنیف بھی ناموس رسالت ﷺ کی حفاظت کے لئے منظر عام پر آئی۔ سرسید کی متذکرہ بالا رسائل وکتب کے علاوہ دیگر اور بھی تخلیقات منظر عام پر آچکی ہیں ''جیسے انتخاب الاخوین''، ''تسہیل فی جر الثقیل''، ''قول متین در ابطال حرکت زمین''، ''فوائد الافکار فی اعمال الفرجار''، راہ سنت و رد بدعت''، ''ازالۃ الغین عن ذی القرنین''، ''تفسیر الجن والجان علیٰ مافی القرآن''، ''الدعاوالاستجابۃ'' اور ''ترقیم فی قصہ اصحاب الکہف والرقیم'' وغیرہ۔

سرسید کے خطوط کے مجموعے بھی مرتب کئے گئے ہیں جیسے ''خطوط سرسید، مرتبہ: سر راس مسعود''، ''سرسید کے خطوط، مرتبہ: وحید الدین سلیم''، ''انتخاب مکاتیب، مرتبہ: شیخ عطاء اللہ''، ''مکتوبات سرسید، مرتبہ: محمد اسماعیل پانی پتی'' اور ''مکاتبات الخلان فی اصول التفسیر وعلوم القرآن، مرتبہ: محمد عثمان مقبول'' وغیرہ۔ سرسید کے زیادہ تر خطوط نجی نہ ہو کر مقاصد کی ترسیل کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ اِسی طرح سرسید کی تقاریر کے مجموعے بھی منظر عام پر آچکے ہیں جیسے ''سرسید کے لکچروں کا مجموعہ، مرتبہ: منشی سراج الدین''، ''مکمل مجموعہ لکچرز اور اسپیچیز، مرتبہ: امام الدین اور ''خطبات سرسید، مرتبہ: شیخ محمد اسماعیل پانی پتی'' اسی طرح سرسید کے سفرنامے بھی مرتب کئے گئے ہیں جیسے ''سفرنامہ مسافران لندن، مرتبہ: محسن الملک اور شیخ اسماعیل پانی پتی'' اور ''سفرنامہ پنجاب''، مرتبہ: مولوی سید اقبال علی۔ اِن تمام تر تخلیقات سے سرسید کے خیالات ونظریات، مقصد حیات اور اُن کے افکار کے ساتھ ساتھ اُن کی باوقار حیثیتوں کا بھی بخوبی پتہ چلتا ہے۔

سرسید احمد خان درویش صفت انسان تھے۔ مزاج نہایت حساس پایا تھا۔ ہندوستانی عوام اور مسلمانوں کے مسائل کے حل کے لئے ہمہ وقت فکر مند رہتے تھے۔ اُنہوں نے ۱۸۵۸ء میں ''تاریخ سرکشی بجنور'' لکھی۔ اس تاریخ میں سرسید احمد خان نے بغاوت ہند سے منسلک مئی ۱۸۵۷ء سے اپریل ۱۸۵۸ء تک کے آنکھوں دیکھے حالات وواقعات کو نہایت ہی موثر طور پر قلم بند کیا۔ سرسید نے اپنے افکار ونظریات کے پیش نظر سب سے پہلے ۱۸۵۹ء میں مراد آباد میں ایک فارسی مدرسہ قایم کیا جس میں سعدی کی ''گلستان اور بوستاں'' کے علاوہ آمد نامہ اور انوار سہیلی جیسی روایتی درسی کتابیں بھی پڑھائی جاتی تھیں۔ جن میں ہندو اور مسلم سبھی پڑھا کرتے تھے۔ اس مدرسہ میں ذریعہ تعلیم اُردو تھا۔ حالانکہ وہ اُردو یا دیگر مادری زبان کے مقابلہ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے پر ترجیح دیتے تھے۔ پھر ۱۸۶۴ء میں غازی پور میں ایک انگریزی اسکول قایم کیا۔ جو بعد میں وکٹوریہ اسکول کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ اسکول ہندو مسلم باہمی تعاون پر چلتا تھا۔ اس اسکول کے لئے بہت سارے لوگوں نے چندہ دیا یہاں تک کہ سترہ ہزار تین سو روپے جمع ہوئے اور اتفاق رائے سے راجا دیو نرائن سنگھ کو اسکول کا پیٹرآن یعنی سرپرست مقرر کیا گیا۔

یہاں طلبا کو اُردو، فارسی انگریزی اور عربی میں سے کسی بھی زبان کو منتخب کرنے کی آزادی تھی۔ اسکول کا دروازہ بلالحاظ ذات و مذہب سب کے لئے کھلا تھا۔ اس میں جدید عصری تقاضوں کے مطابق پڑھائی ہوتی تھی۔ سرسید انگریزی زبان کو اس لئے اہمیت دیتے تھے کہ اُن کا خیال تھا کہ اس سے ہندوستانی عوام نہ صرف کو ایلیٹی ایجوکیشن حاصل کر سکے گی بلکہ برطانوی حکومت کے ساتھ بہتر تعلقات بھی قایم ہوسکیں گے۔ سرسید اِس حقیقت سے واقف تھے کہ مغربی علوم کی زیادہ تر کتابیں انگریزی زبان میں ہی دستیاب ہیں جسے مادری زبان میں منتقل کرنا آسان نہیں ہے۔ اُنہوں نے مادری زبان یا دیسی زبان میں درس وتدریس کی کبھی حوصلہ شکنی نہیں کی بلکہ اُن کا خیال تھا کہ جدید علوم کو اپنی زبان کے ذریعہ حاصل کرنا زیادہ آسان ہے۔ چنانچہ اُنہوں نے ۱۸۶۴ء میں سائنٹفک سوسائٹی قایم کی جس کا مقصد عصری مسائل اور مختلف النوع چیلینجیز کی افہام وتفہیم اور اُن کا حل تلاش کرنا تھا۔ چنانچہ اسکا ایک مقصد دیسی زبانوں میں سائنس اور مغربی علوم وفنون کا ترجمہ کرنا تھا۔ اُنہوں نے دیسی زبان میں تعلیم دینے کی غرض سے ۱۸۶۷ء میں برٹیش اِنڈین ایسوسی ایشن کے تعاون سے ایک جدید قومی یونیورسٹی کا منصوبہ تیار کیا تا کہ موجودہ تعلیمی نظام تک ہندوستانی عوام کی رسائی آسان ہوسکے۔ برطانوی حکومت نے اس منصوبہ کو کافی سراہا اور کچھ ترمیمات کے ساتھ ۱۸۶۹ء میں پنجاب میں لاہور یونیورسٹی قایم کی جس میں دیسی زبان اور مشرقی علوم کو بھی اہمیت دی گئی۔ سرسید نے اگست ۱۸۶۹ء میں حکومت کو ایک میمورنڈم کے ذریعہ موجودہ نظام تعلیم پر تنقید کی اور اپنی رائے کا اظہار کیا مگر حکومت برطانیہ نے ان کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ مگر سرسید کے دل مضطرب کو سکون کہاں تھا۔ اُنہوں نے دسمبر ۱۸۷۰ء میں بنارس میں ''خواستگار ترقی تعلیم مسلمانان ہندوستان'' نامی ایک کمیٹی تشکیل کی۔ اور خود اِس کے سکریٹری مقرر ہوئے۔ اس کمیٹی کا مقصد مسلمانوں کے مغربی جدید تعلیم سے خاطر خواہ استفادہ نہ کرنے کے اسباب وعلل اور اُن کے سدّباب پر غور وخوض کرنا تھا۔ کمیٹی نے ان مسائل پر مضمون نویسی کے لئے انعامی اشتہارات دیئے۔ ۳۲ رمضامین موصول ہوئے۔ ان مضامین سے مسائل کے اسباب، اس کے حل کی تفصیلات وتجاویز اور مختلف تدابیر موصول ہوئیں۔ سرسید نے محسوس کیا کہ وقت تیزی سے بدل رہا ہے اور مسلمانوں کی درسگاہیں زمانے کے لحاظ سے متروک ہوتی جارہی ہیں، موجودہ تعلیم غیر مفید ثابت ہو چکی ہے اور زمانہ حال سے کسی بھی طرح مطابقت نہیں رکھتی ہے۔ سرسید تعلیم کو وقت کی ضرورت کے مطابق ہم آہنگ کرنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمان جدید علوم وفنون کے ساتھ ساتھ مذہبی تعلیم بھی حاصل کریں۔ سرسید کا اختلاف دینی تعلیم یا دنیاوی تعلیم سے نہیں تھا بلکہ اُن کا اختلاف دینی تعلیم اور دنیاوی تعلیم کے لئے رائج طریقہ کار سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر مسلسل مستحکم ہوتی ہوئی برطانوی رہنمائی کو قبول کرنے کی حمایت کر رہے تھے۔ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کو بھی کافی اہمیت دیتے تھے۔ سرسید نے تعدد ازدواج کے مسئلہ پر عقلی دلائل فراہم کرتے ہوئے ملک کی آب وہوا اور طبعی وجوہات کی بنیاد پر اسے جائز قرار دیا ہے۔ وہ طلاق کو بھی معاشرہ کی اصلاح کے لئے ایک مناسب قدم تصور کرتے ہیں۔

سرسید احمد خان نے ۱۸۷۲ء میں بنارس میں ''محمڈن اینگلو اورینٹل کالج فنڈ'' نامی ایک کمیٹی بنائی جس نے کالج کے

انتظامیہ کے لئے اصول وضوابط مرتب کئے۔ یہ صحیح ہے کہ سرسید عورتوں کے معاملوں میں کسی حد تک دقیانوسی خیالات ونظریات کے حامل ثابت ہوئے ہیں۔ سرسید نے لڑکیوں کے مقابلہ لڑکوں کی تعلیم کو اہمیت دی ہے۔ سرسید سمجھتے تھے کہ عورتوں میں جس قدر گھریلو تعلیم ان کی شائستگی کے لحاظ سے موجود ہے وہ اُن کے واسطے مکان میں مکین کی حیثیت سے گھر کی خوشی کے لئے کافی ہے۔ اُن کا یہ خیال اگر درست نہ بھی ہو تو وقت کے لحاظ سے یہ خیال بالکل درست تھا کہ اُس وقت ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم خصوصاً مسلم خواتین کے لئے حالات قطعاً سازگار نہیں تھے چنانچہ اُنہوں نے ہندوستان میں یورپ کے طرز پر گرلز اسکولوں کی تقلید کی سخت مخالفت کی۔ درحقیقت سرسید کے تعلیمی افکار کا مرکزی نقطہ نظر یہ تھا کہ مسلمانوں کی زبوں حالی دراصل اسلام کی زبوں حالی ہے۔ اگر مسلمانوں کی حالت بہتر ہوتی ہے تو اسلام کی شان وشوکت میں بھی اضافہ ہوگا۔ سرسید کی تعلیمی سرگرمیاں دراصل مسلمانوں کی ترقیاتی سرگرمیوں کا پیش خیمہ ہیں۔ سرسید نے ہندوستان کی پوری عوام کو ایک ہی ملک کا باشندہ ہونے کی بنیاد پر ''ایک قوم'' کہا ہے اور ہندو اور مسلم کو ''ایک حسین وجمیل دلہن کی دو آنکھوں'' سے تعبیر کیا ہے۔ آج علی گڑھ مسلم یونیورسٹی بین الاقوامی سطح پر ایک عظیم یونیورسٹی کی شناخت رکھتی ہے اور صدر جمہوریہ جناب رام ناتھ کووند کے مطابق ہندوستان کی ایک سو چالیس سینٹرل یونیورسٹیوں میں نمائندہ حیثیت کی حامل ہے۔ حالانکہ امتداد زمانہ کے لحاظ سے اس یونیورسٹی میں بھی قدروں کا قدرے زوال آیا ہے مگر مقابلۃً صورت حال بہتر ہے۔ سرسید نے تنقید نگاروں کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ سرسید جاہ واقتدار کے جس منصب پر فائز تھے، اگر چاہتے تو عیش وعشرت کی زندگی بسر کرسکتے تھے۔ اگر چاہتے تو حکومت وقت سے ایک بڑی جاگیر حاصل کرسکتے تھے مگر حیات سے موت تک کا اُن کا سفر نہایت سادگی سے گذر گیا۔ سرسید کا دل پورے خلوص کے ساتھ مسائل کے مناسب حل کے لئے تاحیات دھڑکتا رہا۔ عمر کے آخری دنوں میں صحت اچھی نہیں رہتی تھی۔ مگر اس نازک حالت میں بھی کبھی اپنا کام نہیں چھوڑا۔ بالآخر ۲۷ رمارچ ۱۸۹۸ء کو اِس جہان فانی سے کوچ کیا۔ مشہور اور معتبر مورخ ومصنف پروفیسر سر تھامس واکر آرنلڈ نے سرسید کے بارے میں لکھتے ہوئے کہا ہے کہ:

''.....نہ اُس کے پاس رہنے کو گھر تھا، نہ مرنے کو اور جب وہ مرا تو اُس کی تجہیز وتکفین کے لئے ایک پیسہ بھی گھر سے نہ نکلا۔ یہ شان قلندری نہ تھی تو اور کیا تھا''۔

آج ہندوستانی عوام خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کی جو ہر چہار طرف روز افزوں ترقی نظر آرہی ہے، اس ترقی میں دیگر عظیم رہنمائے قوم اور محبان وطن کی طرح اس عظیم مفکر اسلام یعنی ''سرسید احمد خان'' کا بھی خون جگر شامل ہے۔ چنانچہ ثناخوان تقدیس مشرق اور دیگر ناقدین کے خیالات ونظریات سے قطع نظر سرسید کے افکار ونظریات اور اُن کی تعلیمی سرگرمیوں کا نقطہ عروج یعنی ''علی گڑھ مسلم یونیورسٹی'' اور اس یونیورسٹی کی خدمات کا بخوبی جائزہ لیا جائے تو پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جائے گی کہ عالمی سطح پر ہر پڑھا لکھا شخص اور ہر عاقل وبالغ اس امر خاصہ سے واقف ہے کہ اگر ناقدین سرسید، منکرین حقائق اور مخالفین علی گڑھ

تحریک کے تمام تر اعتراضات کے پیشِ نظر سرسید احمد خاں کی تمام تر خدمات کو گر فراموش کر بھی دیا جائے، تو بھی یہ تاریخی سچ ہمارے سامنے موجود ہے اور تا قیامت باقی رہے گا کہ سرسید احمد خاں کی واحد یہ یونیورسٹی ہی اپنی تمام تر خدمات کی بنا پر سرسید کی بقائے دوام کے لئے تنہا کافی ہے اور یہی سچ شیفتگان سرسید کے سکون قلب کے واسطے دائمی سرمایہ ہے۔

عشق کے دردمند کا طرزِ کلام اور ہے ❁ اوروں کا ہے پیام اور، میرا پیام اور ہے
یہ بھی سنو کہ نالہ طائرِ بام اور ہے ❁ طائرِ زیرِ دام کے نالے تو سن چکے ہو تم

مراجع ومصادر :

(۱) حیاتِ جاوید: الطاف حسین حالی۔
(۲) فکرِ اسلامی کا ارتقاء: ڈاکٹر ضیاالدین فلاحی۔
(۳) سرسید کی بصیرت: اسرار عالم۔
(۴) آثار الصنادید: سرسید احمد خان۔
(۵) اسباب بغاوت ہند: سرسید احمد خان۔
(۶) سرسید کی نثری خدمات: ڈاکٹر مشتاق احمد۔
(۷) ماہنامہ نقوش کا آپ بیتی نمبر: فرید بک ڈپو، نئی دہلی۔
(۸) سرسید کا اصلاحی مشن: ڈاکٹر توقیر عالم فلاحی۔
(۹) منتخب مضامین سرسید: عتیق احمد صدیقی۔
(۱۰) سرسید: درون خانہ: افتخار عالم خاں۔
(۱۱) ماہ نامہ تہذیب الاخلاق: اکتوبر ۲۰۱۸ء (سرسید نمبر)

❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄❄

سہ ماہی المجیب
میں اشتہارات دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیں

قند پارسی

فریاد بہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

● حضرت مولانا حافظ شاہ شہاب الدین ثاقبؔ قادری پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر شریعت وطریقت فیاض المسلمین مولانا سید شاہ محمد بدرالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خلف اصغر حضرت مولانا سید شاہ حافظ محمد شہاب الدین ثاقبؔ قادری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ ایک قوی الحجت جید عالم دین اور شدید التاثیر بزرگ تھے، آپ نے اپنے آبائی طرۂ امتیاز کی بنا پر درس خانقاہی کے ساتھ علمی وادبی خدمتیں بھی انجام دی ہیں، آپ کی تالیفات میں رسالہ نعلین (فارسی) اور ایک رسالہ برشرف رویت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فارسی) جو اپنے موضوع ومضامین کے لحاظ سے نہایت اہم ہیں، ان کتابوں کے علاوہ آپ کی فارسی غزلیں ''قند پارسی'' کے عنوان سے ماہنامہ ''المجیب'' میں تقریباً تین سالوں تک مسلسل شائع ہوئیں، عصر حاضرہ میں آپ کے ان علمی آثار سے علمی وادبی دنیا کو روشناس کرانا وقت کی اہم ضرورت ہے، اسی مقصد کے پیش نظر حضرت زیب سجادہ مجیبی مولانا سید شاہ محمد آیت اللہ قادری مدظلہ العالی نے محسوس کیا کہ سہ ماہی المجیب کے گوشۂ ادب کے تحت اولاً آپ کی فارسی غزلیں (قندان پارسی) سلسلہ وار شائع کی جائیں تاکہ سابق کی طرح سہ ماہی المجیب کے قارئین بھی آپ کے کلام سے حظ اٹھاسکیں، نیز ریسرچ کرنے والوں کو تحقیق کے لئے نئے مواد دستیاب ہوں۔۔۔ (محمد فصیح الدین عاصم قادری زینبی)

اے باعث کون ومکاں، فریادرس فریادرس ❁ وے بادشاہ انس وجاں فریادرس فریادرس
اے شمع بزم مرسلاں فریادرس فریادرس ❁ وے مہر تاب دوجہاں فریادرس فریادرس
تا زلف تو دیوانہ ام از غیر تو بیگانہ ام ❁ اے راز دار عاشقاں فریادرس فریادرس
شب در خیالت بگذرد روزم بیادت بگذرد ❁ احوال من برتو عیاں فریادرس فریادرس

تو دانی و من دانم و غیر از کجا دارد خبر ❁ سوزے کہ اندر دل نہاں فریادرس فریادرس
بشگفت ہر گل در چمن الّا دلِ محزون من ❁ پژمردہ را ہم بخش جاں فریادرس فریادرس
پیکے ندارد بخت من نے نامہ بردستم دہد ❁ جز بے اثر آہ و فغاں فریادرس فریادرس
ساقی چرا روتافتہ سامان مئے آراستہ ❁ بر ساحلم تشنہ دہاں فریادرس فریادرس
محروم کئے گردد کسے از فیض عام درگہت ❁ بشنو ز ما بیچارگاں فریادرس فریادرس
تا کئے حریم سینہ ام بے تو بود ظلمت کدہ ❁ اے ماہ تابانِ دلاں فریادرس فریادرس
اے مشفق از مادر پدر و اے رحمت از سر تا بپا ❁ رحمے بحال عاجزاں فریادرس فریادرس
ما ناقصاں را کئے بود امید بر اعمال خود ❁ جز از نگہ رحمت نشاں فریادرس فریادرس
چوں از نگاہت فتح من چوں نصرتم باز وئے تو ❁ اے قوت من ناتواں فریادرس فریادرس

ثاقبؔ بہ پیشت سر نہاں ورد زباں دارد ہمیں
بالبدرؐ محیؓ مقبلاں، فریادرس فریادرس

* * * * * * * * * *

اپیل

مضمون نگاروں سے اپیل ہے کہ ''المجیب'' میں اشاعت کے لئے مسودہ کی اصل کاپی بھیجیں۔ عکسی کاپی ناقابل اشاعت ہوگی۔

منیجر

سہ ماہی ''المجیب'' پھلواری شریف، پٹنہ

نعت شریف

● امان خاں دلؔ ــــ شوگر لینڈ، ہیوسٹن، امریکہ

نشانِ عظمت صدق و صفا ہے گنبدِ خضرا ❁ کہ یہ آرام گاہ مصطفےٰ ہے گنبدِ خضرا
نبی اب دوسرا کوئی نہ ہوگا روزِ محشر تک ❁ رسالت کا تمامی سلسلہ ہے گنبدِ خضرا
مدینہ جس نے بھی دل کو محبت سے بنایا ہے ❁ اُسی دل میں عقیدت سے سجا ہے گنبدِ خضرا
کسے اس کی بلندی کا حقیقت میں ہو اندازہ ❁ زمیں پر آسماں بن کر رہا ہے گنبدِ خضرا
وفا اس کے مکیں سے عام ہو جائے جو دنیا میں ❁ تو مومن کی حقیقت میں بقا ہے گنبدِ خضرا
جو رونق دیکھئے اِس کی تو گھنٹوں دیکھتے رہیئے ❁ نظر میں نقش بن کر رہ گیا ہے گنبدِ خضرا
اسے بخشا گیا دو چند رتبہ سر بلندی کا ❁ نگاہِ حق میں بھی ذی مرتبہ ہے گنبدِ خضرا
اسی رحمت کے سائے میں ہیں اب صدیق اکبرؓ بھی ❁ کہ روضہ پاک بھی فاروقؓ کا ہے گنبدِ خضرا

مدینے سے تو کب کا لوٹ آیا ہوں مگر اے دلؔ
مری نظروں میں اب تک بس رہا ہے گنبدِ خضرا

❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋ ❋

غزل

● وارث ریاضی ـــ کاشانۂ ادب، سکٹا (دیوراج)، ڈاک خانہ بسوریا، مغربی چمپارن

ہم شہرِ آرزو سے بیاباں میں آگئے ❁ کوہِ غمِ حیات کے داماں میں آگئے
سلجھیں گے کیسے زلف سیاست کے پیچ وخم؟ ❁ اہلِ نظر تو حسن کے زنداں میں آگئے
ان کی نگاہ لطف کہاں اور ہم کہاں؟ ❁ ہم سادگی میں سازشِ احساں میں آگئے
نکلے تھے گھر سے بزمِ جہالت کی اُور ہم ❁ لیکن خرد کے صحنِ گلستاں میں آگئے
اہلِ جنوں پہ ان کی نوازش، زہے نصیب ❁ گھر کے سکوں سے نرغۂ طوفاں میں آگئے
پھر اڑ رہی ہیں جیب گریباں کی دھجیاں ❁ پھر بے خودی میں ہاتھ گریباں میں آگئے
نظروں سے دور اور تصور سے دور بھی ❁ پھر بھی وہ کیسے قلب پریشاں میں آگئے
اپنی اَنَا پہ جن کو تکبر تھا آج وہ ❁ بزمِ طرب سے شہرِ خموشاں میں آگئے
کتنا بڑا کرم ہے خدائے کریم کا ❁ ہم حلقہ ہائے حاملِ قرآں میں آگئے

وارثؔ بھی ادعائے تقدس کے باوجود
دامِ فریبِ جلوۂ خوباں میں آگئے

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

کوائف وحالات

● ادارہ

راز و نیاز بلبل وگل ہم سے پوچھئے ❁ نرگس کی آنکھ بن کے رہے ہیں چمن میں ہم

کچھ اپنی ..... کچھ دوسروں کی

شہریت کے ثبوت :

دوسرے مصائب کے ساتھ حکومت وقت نے عوام کے سامنے شہریت کے ثبوت پیش کرنے کا ایک مسئلہ بھی چھیڑ دیا ہے۔ کہا جارہا ہے بلکہ عام طور پر مشہور ہے کہ اس ملک کے ہر شخص سے اس کی شہریت کا ثبوت مانگا جائے گا، سنا ہے کہ بہت جگہوں پر یہ کام شروع ہوگیا ہے۔ ابھی تک باوثوق ذرائع سے اس خبر کی تصدیق نہیں ہوسکی ہے ہاں خبر بہت گرم ہے۔

اس مسئلے کے بہت پہلو ہیں۔ ایک یہ ہے کہ اس ملک میں ایسے لوگ نسلاً درنسلاً رہتے ہیں جن کے پاس ضروری کاغذات ہیں مثلاً گھر کا کاغذ، جائداد کا کاغذ، آدھار کارڈ، راشن کارڈ، الیکشن کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ میں سے کوئی ایک۔ دوسرا یہ ہے کہ بہت پہلے کہیں باہر سے آکر یہاں بس گئے ہیں اور درج بالا کاغذات میں سے کوئی ایک ان کے پاس موجود ہے — ایسے لوگوں کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ انہیں این آر پی کے تحت اپنی موجودگی اس ملک میں درج کرادینی چاہئے۔ تیسری قسم ایسے لوگوں کی ہے جن کے پاس زمین جائداد وغیرہ سب ہے لیکن ان کے پاس کسی قسم کا کاغذ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو ضروری کاغذات حاصل کرکے خود کو مضبوط بنالینا چاہئے۔ حالات حد سے زیادہ بگڑ چکے ہیں اور بھی بگاڑے جارہے ہیں — ہم سب لوگوں کے لئے خاص کر مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اور کنبے کے افراد کے لئے شہریت کے ضروری کاغذات ہر حال میں تیار رکھیں۔ جیسا کہ مشہور ہورہا ہے کہ مرحوم والدین اور ان کے والدین کے بھی شہریت کے ثبوت مانگے جارہے ہیں یہ بے جا اور بے تکا ہے۔ اگر ایسا ہو تو آپ آنے والے حکام کو قبرستان یا شمشان گھاٹ کا راستہ بتلادیجئے کہ آپ کے والدین وہاں

لیٹے ہوئے ہیں یا ان کی راکھ پڑی ہوئی ہے اسی سے ثبوت مانگ لیں۔آپ اچھی طرح سمجھ لیجئے یہ حکومت وقت کی طرف سے لایا ہوا ایک زعفرانی انقلاب ہے جس کا مقابلہ ہمیں ہمت، استقلال اور ہوش وحواس سے کرنا ہے۔افواہوں پر دھیان دینے یا پینک پیدا کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔

معمولات خانقاہ بماہ جمادی الثانی :

۱۹ر جمادی الثانی عرس صاحب المقام الاویسیہ حضرت مخدوم شمس الدین جنید ثانی اولیاء قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹ر تاریخ کو نماز عصر کے بعد قل ہوتا ہے۔

۲۰ر جمادی الثانی عرس بانیٔ خانقاہ و دارالعلوم مجیبیہ حضرت آفتاب طریقت تاج العارفین مخدوم سید شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی قدس سرہٗ ۱۹ر دن گزار کر شب ۲۰ر اور روز ۲۰ر کو قل ومجلس سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ رجب المرجب :

۶ر رجب کو فاتحہ حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ ــــ بعد نماز عصر قل ہوتا ہے۔

رجب کی ستائیسویں شب میں معراج کی مناسبت سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عرس مبارک ہوتا ہے اور شب میں چراغاں ہوتا ہے۔خانقاہ اور آستانہ اس رات شب معراج کی یاد میں چراغوں سے بقعۂ نور بنا رہتا ہے۔بعد نماز عشاء قل اور بعدہٗ محفل سماع ہوتی ہے۔

معمولات خانقاہ بماہ شعبان المعظم :

۲۶ر شعبان کو حضرت امان المستجیرین عارف باللہ مولانا سید شاہ محمد امان اللہ قادری قدس سرہٗ کے وصال کی تاریخ میں فاتحہ اور بعد نماز عصر میلاد شریف ہوتا ہے۔حضرت کا عرس ان کے والد ماجد کے عرس کے ساتھ ۲۹ر جمادی الاولیٰ کو ہوتا ہے۔

۲۹ر شعبان کو شب ۲۹ر اور روز ۲۹ر حضرت شیخ العالمین مخدوم شاہ محمد نعمت اللہ قادری قدس سرہٗ کے عرس کی تقریب انجام دی جاتی ہے۔

* * * * * * * * * *

دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ کی موجودہ چند اہم مطبوعات

₹:40.00

₹:300.00

₹:400.00

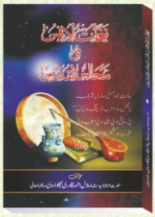
₹:350.00

₹:500.00

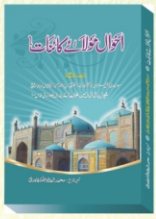

₹:140.00

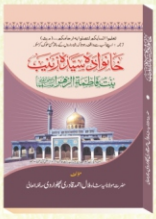

₹:200.00

₹:50.00

₹:100.00

₹:100.00

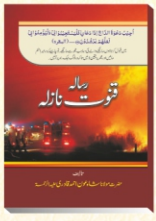

₹:20.00

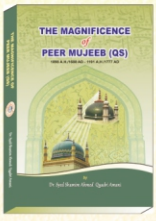

₹:400.00

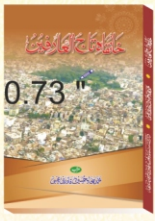

₹:100.00

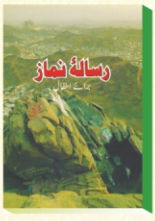

₹:50.00

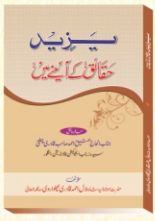

₹:100.00

₹:20.00

₹:15.00

₹:60.00

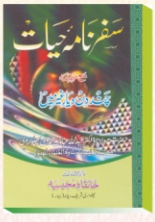

₹:150.00

₹:90.00

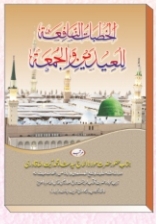

₹:300.00

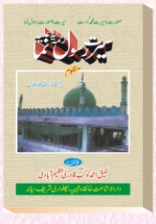

₹:20.00

₹:40.00

₹:50.00

₹:120.00

مذکورہ کتابیں حاصل کرنے کے لئے ان نمبرات: 7250433562 ,9006306098-91+ پر رابطہ کریں۔

ISSN 2320-8600 The ALMOJIB Quarterly
Vol.No. :60 | Jan., Feb. & March 2020 | Sl.No. : 01
The only most widely circulated Urdu Quarterly of Bihar
Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna - 801505 Bihar (INDIA)
Ph. No. (0612) 2555572, Telefax : 2555305, Mob. No. +91-9006306098, E-mail : almujeebquarterly@gmail.com

چھ ورقی المجیب کیلنڈر

₹ 60/- Size : 17x22.5

2020ء کے لئے واضح اور جلی حرفوں میں قمری و انگریزی تاریخوں کے ساتھ خوبصورت و خوش منظر چھ ورقی المجیب کیلنڈر منظر عام پر آگیا ہے، جس میں سرکاری و مذہبی تہواروں کے علاوہ مشہور و معروف بزرگان دین کے اعراس و تاریخ وصال کی مکمل نشاندہی ہے، خصوصاً خانقاہ مجیبیہ کے سبھی قل و اعراس کی تاریخیں سرخ حرفوں میں لکھی گئی ہیں۔

کیلنڈر کا انداز انوکھا، کاغذ عمدہ اور طباعت پرکشش و دیدہ زیب ہے، خواہش مند حضرات دارالاشاعت خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف سے صرف -/60 روپے میں جلد طلب فرما کر بھرپور فائدہ اُٹھائیں اور اپنے گھروں کی خوبصورتی میں اضافہ کریں۔

Published by **Mohd. Minhajuddin Mujeebi** on behalf of Darul Esha'at Khanquah Mujeebia,
Editor : Dr. Shah Fatahullah Quadri, Printed at Taj Offset Press, Daryapur, Patna-800004
and Published at Darul Esha'at Khanquah Mujeebia, Phulwari Sharif, Patna-801505, Bihar (INDIA)